www.HallaGulla.com

سُر کی چھایا

(ایک کتھا)

Virtual Home
for Real People

تعارف

(ا)

بقدرِ شوق نہیں ظرف تنگنا ئے غزل

کچھ اور چاہیئے دسعت مرے بیاں کے لیے

غالب کا یہ شعر عموماً غزل پر نظم کی برتری ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ یہاں خیال اور ہیئت کے ناگزیر رشتے کی بات کی گئی ہے۔ ہر سچے فن کار کے ہاں خیال اپنی ہیئت کا تعین خود کرتا ہے۔ جو بات نظم میں کہی جاسکتی ہے وہ نظم ہی میں کہی جاسکتی ہے ۔اسی طرح اگر کسی موضوع کے لیے ناول درکار ہے تو کوئی بھی اور صنف اس کے اظہار سے قاصر ہوگی۔ کچھ اور چاہیے وسعت سے یہ واضح ہے کہ غزل کی یکسر نفی مقصود نہیں۔ شوق کا جو حصہ بیان ہونے سے رہ گیا ہے وہ غزل میں نہیں سمویا جاسکتا۔ اس کے لیے کوئی اور ظُرف، چاہیئے۔ مختلف اصنافِ سخن وہ امکانی ظروف ہیں جن کے ذریعے خیالات اظہار پاسکتے ہیں۔

ناصر کاظمی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں لیکن انھوں نے نظمیں بھی لکھیں اور مضامین بھی اور سُر کی چھایا، کی صورت میں ایک ڈرامہ تحقیق کیا۔ دراصل ان کا تمام ترتخلیقی سفر نت نئے جہانوں کی جستجو سے عبارت تھا۔

'سر کیا چھایا' ہیئت کے اعتبار سے ڈرامہ ہے اور روح کے اعتبار سے شاعری۔ نظر گویا کسی نظم کا بند ہے۔ ہر مکالمہ قافیہ ردیف سے آزاد لیکن کسی نہ کسی بحر کا پابند ہے۔ ہر کردار شروع سے آخر تک ایک مخصوص بحر میں گفتگو کرتا ہے۔ مثلاً مرکزی کردار عبدل کی ہر بات اس بحر میں ہے: فعلاً فعلاً فعلاً فعلاً۔

منظوم ڈرامے پر اکثر یہ اعراض کیا جاتا ہے کہ اس کی زبان غیر فطری اور مصنوعی، اور امکانات محدود ہوتے ہیں۔ ٹی۔ ایس۔ ایلٹ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ ہر زندہ اور بڑے نثری ڈرامے کے کردار جو زبان بولتے ہیں وہ عام زندگی میں بولی جانے والی زبان سے اتنی ہی مختلف ہوتی ہے جتنی کہ نظم۔ نظم کی طرح یہ بھی بار بار لکھی گئی ہوتی ہے۔ ادیب اپنے اردگرد بولی جانے والی زبان میں سے بہت کچھ مسترد کرتا ہے اور جو کچھ چنتا ہے اسے بھی ایک خاص ترتیب دیتا ہے۔ اس سلسلے میں کئی نئے الفاظ تخلیق کرتا ہے۔ گویا ادب کی زبان بہت زیادہ نتھری اور منجھی ہوئی ہوتی ہے۔ سان او کیسے (SEAN O' CASEY) کہتا ہے کہ اگر گلی یا ڈرائنگ روم میں بولا جانے والا کوئی مکالمہ ہو بہو کسی ڈرامے میں شامل کر دیا جائے تو نتیجہ نہایت مضحکہ خیز اور بھونڈا ہوگا۔ ڈی۔ ایچ۔ لارنس ادبی کلام۔۔ (ARTSPEECH اور روزمرہ بول چال (CONTEMPORARY SPEECH) میں تفریق کرتے ہوئے کہتا ہے

کہ صرف ادبی کلام ہی کلام کہلانے کا مستحق ہے۔(ART SPEECH IS THE HOLY SPEECH)

دنیائے ارب کا مطالعہ لارنس کی اس بات کی تائید کرتا ہے۔ مثلاً اگر ہم شیکسپئر کے کسی ہم عصر کو پڑھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس کی زبان شیکسپئر سے کتنی مختلف ہے۔ سا کے ہم عصر حقیقت نگاری کے شوق میں اپنی ہمعصر زبان لکھتے رہے۔ اسی لیے زمانہ بدلنے کے ساتھ ساتھ ان کی تحریریں غیر معقول اور غیر معروف ہوتی گئیں۔ زبان تو سدا ااتقائی منازل میں رہتی ہے۔ وقت کی کسوٹی پر وہی تحریر پوری اترتی ہے جو تحقیق اگر اس اعتبار سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ نثری ڈراموں کی نثر بھی ایسی ہی مصنوعی ہوتی ہے جیسی کہ نظم یا بصورت دیگر نظم بھی ایسی ہی نظری ہو سکتی ہے جیسی کو نثر۔ البتہ شاعری کو ڈرامے کا ذریعہ بنانے کے ضمن میں ایلیٹ نے ایک تنبیہہ بھی کر رکھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر شاعری سجاوٹ کے لیے ایک اضافی سامان آرائش کے طور پر استعمال ہو یا صرف اس لیے کہ ادبی ذوق کے لوگوں کو ڈرامہ دیکھتے وقت شاعری سننے کا لطف بھی فراہم کیا جائے، تو یہ بالکل بے جا ہوگی۔ اسے محض شاعری کی ڈرامائی تشکیل ہونے ہونے کی بجائے ڈرامائی حیثیت میں اپنا جواز پیش کرنا چاہئیے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسا کوئی ڈرامہ منظور نہیں ہونا چاہئیے جس کے لیے نثر ڈرامائی طور پر موزوں ہو۔

منظوم ڈرامے کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ نثر بہت سے جذبات اور احساسات کے اظہار سے قاصر ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنہیں کبھی ایسی صورتحال کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو جب ہمارے، الفاظ مافی الضمیر کے اظہار کے لیے مایوس کن حد تک ناکافی نظر آتے ہیں بہر وہ شخص جسے کبھی اپنے کسی عزیز کو تعزیتی خط لکھنا پڑا ہو، اس بات سے بخوبی واقف ہوگا۔ ہماری زبان کی بے چارگی اس وقت بھی سدِ راہ بنتی ہے جب ہمارا اسامنا عظیم الشان حُسن کراہت انگیز بدصورتی، شید تکلیف، غیر معمولی اچھائی یا خوفناک عیاری سے ہوتا ہے۔ ہم میں سے بیشتر نے دیکھا ہوگا، اگر محسوس نہیں کیا کہ شدید غصے یا رنج کے عالم میں کچھ نہ کہہ سکنے کی بے بسی، دم گھٹنے کی سی کیفیت پیدا کر دیتی ہے اور خوشی اتنی بلندیوں کو چھو سکتی ہے کہ ہم الفاظ نہ ملنے کے باعث رو پڑتے ہیں۔ اس قسم کی صورت حال میں صرف شاعری ہی جذبے کا کچھ اظہار کر پاتی ہے کیونکہ شاعری روزمرہ زبان کی بہ نسبت ہماری داخلی سچائی کے قریب تر ہوتی ہے پس شاعری انسانی روح کی ایک مستقبل خواہش اور ضرورت ہے اور ڈرامے کا ایک فطری ذریعہ۔

(۲)

پھر کوئی لوگ نظر سے گذرے
پھر کوئی شہرِ طرب یاد آیا

ڈرامے کا ڈھانچہ کچھ اِس طرح سے ہے کہ زیادہ تر مناظر کرداروں کے ماضی سے متعلق ہیں۔ پہلا منظر گاڑی کے ایک ڈبے کا اندرونی منظر ہے۔ احمد فیاض اور مولوی صاحب باتیں کر رہے ہیں۔ مرکزی کردار عبدل ایک طرف بیٹھا ہے۔ اس کا آبائی گاؤں سورج پور جو احمد اور فیاض کی منزل ہے، راستے میں پڑتا ہے۔ وہ عبدل کو نہیں پہچانتے مگر ان کی باتیں سن کر عبدل انہیں پہچان جاتا ہے۔ فیاض اس کے بچپن کا ساتھی ہے اور احمد اس کے دوست اکبر کا کاروبار میں حصہ دار ہے۔ اپنی محبوبہ نندی سے آخری ملاقات اس کی آنکھوں میں پھر جاتی ہے:

— — — — — — — —

کہاں ہو نندی ؟ یاد ہیں وہ دن ؟

جب ہم چھوٹے چھوٹے سے تھے !

— — — — — — — —

میں اور حسنی کھیل رہے تھے !!

اگلے پانچ مناظر عبدل کی یادوں کا حصہ ہیں۔ دوسرا منظر ۲۴ برس پہلے بچپن کا ہے اور باقی چار نوجوانی کے دور کے۔ ساتواں منظر ہمیں پھر ویل کے اندر لے آتا ہے۔ عبدل کھڑکی کے پاس بیٹھا سوچ رہا ہے۔ احمد اور فیاض دوسری طرف بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ پہلے فیاض اپنے حافظے سے کچھ باتیں بیان کرتا ہے اور پھر احمدؒ

میں نے وہ رات دیکھی ہے جب آسمان سرخ تھا

اگلے پانچ مناظر احمد کی یادوں پر مشتمل ہیں جو اس ترتیب سے پیش کی گئی ہیں کہ کہانی مکمل طور پر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ آخری منظر پھر ریل گاڑی کا ہے۔ رات گہری ہو چکی ہے۔ سورج پور بہت نزدیک آچکا ہے۔ احمد اور فیاض بدستور باتیں کر رہے ہیں عبدل گہری سوچ میں سر جھکائے بیٹھا ہے اسے طرح طرح کے خیال آوازیں دیتے ہیں۔ اچانک گاڑی رُک جاتی ہے یاض پہلی بار عبدل سے مخاطب ہوتا ہے۔

کونسا اسٹیشن ہے بھائی؟

آپ یہاں اتریں گے صاحب؟

احمد نہیں! یہ تو جنگل ہے!

— — — — — — —

(۳)

کہتے ہیں کشمکش ڈرامے کی جان ہے "سُر کی چھایا" میں داخلی اور خارجی دونوں طرح کی کشمکش دکھائی دیتی ہے۔ خارجی کشمکش پھر دو طرح کی ہے: فرف کی فرد کے خلاف جیسے عبدل اور بلہے کی اور پھر حسنی اور بلہے کی کشمکش بلکہ چپقلش دوسری، فرد اور معاشرے کی باہمی کشمکش جس کا شکار عبدل، نندی اور حسنی ہوتے ہیں۔ لیکن سُر کی چھایا، بنیادی طور پر داخلی کشمکش کا ڈرامہ ہے۔ عبدل اس کا شکار پہلی بار اس وقت ہوتا ہے جب لوگ جنگل کو آگ لگا دیتے ہیں

ع نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن

— — — — — —

بولو نندی کہاں چھپی ہو؟

باہر جاؤں!

لیکن نندی

نندی مرجائے گی عبدل

— — —— —— — —

اگلے منظر میں جب عبدل چھپتا چھپاتا گھر آتا ہے اور اپنے ماں باپ کی گفتگو سنتا ہے تو ایک نئی کشمکش میں پھنس جاتا ہے۔کبھی وہ بوڑھے ماں باپ کی طرف دیکھتا ہے کبھی بدنامی کا ڈر سے ستاتا ہے۔نندی کے بعد وہ اب گاؤں میں ٹھہرنا نہیں چاہتا،

آواز: وہ رستہ ہے!

راتوں رات نکل جا عبدل!

عبدل: لیکن یہ مرا گھر!

یہ میرے ماں باپ!

کہاں جاؤں گا؟

نندی! میرے ارمانوں کا آخری سنگم

آواز: اب اس پیڑ سے اڑ جا

اس کی جڑیں اب سوکھ چکی ہیں

— — —— —— —— —— — —

— — —— —— —— —— — —

اس کے بعد عبدل ساتویں منظر میں نظر آتا ہے۔وہی پہلا، گاڑی والا منظر۔اب وہ ایک نئی کشمکش میں مبتلا ہے۔سورج پور، اس کی مٹی، اس کا گاؤں، راستے میں پڑتا ہے!

ایک کرن پھر وقت کی سیڑھی سے اُتری ہے

لیکن میں تو۔اس دھرتی میں میرا کوئی نہیں ہے

سات برس کے بعد یہاں سے پھر گزرا ہوں

وہی پہاڑ اور وہی نظارے!

اس وادمیں کیسے اتروں!

اس دھرتی سے میرا ناطہ ٹوٹ چکا ہے۔

اپنے وقت کا اک اک ساتھی چھوٹ چکا ہے

آخری منظر میں عبدل کی کشمکش اور ذات کی تقسیم اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے اُسے طرح طرح کے خیال آوازیں دیتے ہیں اور وہ

باری باری ان کا جواب دیتا ہے۔آواز، کی، تجازیز، آراء، کے حق میں یا خلاف فیصلے بھی کرتا ہے۔

آواز:۔ سورج پور اتروگے عبدل؟

وہاں نہ جانا!

وہاں ترا اب کوئی نہیں ہے!

عبدل:۔ اس دھرتی سے میرا ناطہ ٹوٹ چکا ہے۔

آواز: تو نے نندی کو مارا ہے!

تو نے اس کا خون پیا ہے!

تو نے حسنی کو مارا ہے!

تو اپنے ماں باپ کا قاتل

تو ہی بلّیے کا قاتل ہے۔

اتنے تن داروں کا خون تری گردن پر:

تو خونی ہے!

تو قاتل ہے!

عبدل: تو جھوٹا ہے

نندی اپنی موت مری ہے

حسنی میرا جگری دوست تھا

آواز: تو بزدل ہے!

تو نے سورج پور کو اجاڑا

عبدل: تو جھوٹا ہے!

تو بزدل ہے!

اس کے علاوہ ہمیں ایک اور کشمکش کا سراغ بھی ملتا ہے۔وہ ہے طبقاتی کشمکش۔چھٹے منظر میں عبدل کی ماں نصیبن، جب اپنے بیٹے کی جان کے بارے میں متفکر ہوتی ہے تو نہایت بے بسی اور غصے کے عالم میں کہتی ہے۔

نہ ہوا اس وقت میری ماں کا جایا

دیکھ لیتی ان زمینداروں کا مان

میرے بیٹے کو اگر کچھ ہو گی تو شیرے پی لوں گی انکے!

پھر آٹھویں منظر میں احمد چکی کی آواز سن کر کہتا ہے۔

یہ آٹے کی چکی ابھی تک یونہی چل رہی ہے

یہ چکی میں کیا پس رہا ہے؟

..... مگر گاؤں بھر میں دہائی مچی ہے کہ آٹا نہیں

کال ہے، لوگ مر جائیں گے۔

لوگ بھوکوں مرے جا رہے ہیں

— — — — — — — —

— — — — — — — —

یہ سب نفع خوروں کی سازش ہے

غلّے کا توڑا نہیں!

اپنے کھیتوں کو دیکھو!

ذرا اپنی فصلوں کو دیکھو!

ہری ہیں، بھری ہیں!

مگر یہ زمیندار، ی کالی منڈی کے تاجر!

(۴)

سوائے عبدل کے سبھی کردار TYPES ہیں۔ نندی روایتی مجبور ہے جس کے ایک طرف عاشق کی محبت ہے اور دوسری طرف گھر والوں کی عزت۔ محبوبہ سے ملنے کی شدید خواہش بھی ہے اور ظالم سماج، کا زبردست خوف بھی جس کی نمائندگی اس کا بھائی بلھا اور اس کے ساتھی کرتے ہیں۔ عبدل کے ماں باپ روایتی ماں باپ ہیں جنہیں اپنی اولاد کے دلوں سے زیادہ لوگوں کی زبانوں کا خیال ہوتا ہے۔ احمد، حسنی اور اکبر افسانوی دنیا کے جاں نثار ساتھی ہیں۔

ان سب کے برعکس عبدل دنیائے ادب کے بیشتر رومانوی مرکزی کرداروں سے مختلف نظر آتا ہے، مثلاً نندی کو کھو دینے پر نہ تو وہ فرہاد کی طرح سر پھوڑتا ہے نہ مجنوں کی طرح دیوانہ ہو جاتا ہے نہ رومیوں کی طرح زہر پیتا ہے نہ ورتھر کی طرح اپنی کنپٹی میں گولی اتارتا ہے۔ جب جنگل میں آگ لگتی ہے اور نندی بچھڑ جاتی ہے تو عبدل اسے ڈھونڈنے کی سر توڑ کوشش کرتا ہے لیکن جلد ہی اسے محسوس ہونے لگتا ہے کہ کامیابی کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ اس کے اندر سے آواز آتی ہے۔

الٹے پاؤں ہٹ جا عبدل

نندی اب نہ ملے گی

اس کی قسمت میں جلنا ہے

الٹے پاؤں ہٹ جا!

اس کا پہلا ردعمل اس کے خلاف ہوتا ہے اور بڑا شدید:

لیکن نندی! اسے اکیلا چھوڑ کے جاؤں!

نہیں نہیں میں جل جاؤں گا!

جل جاؤں گا!

جل جاؤں گا!

لیکن پھر اس کے اندر کا حقیقت پسند انسان اسے سمجھاتا ہے:

آگ کسی کی میت نہیں ہے

اپنی جان بچالے عبدل!

نندی اب نہ ملے گی

اندھی آگ کا رستہ چھوڑ کے راتوں رات جا پیارے

وہ رستہ ہے!

اور بالآخر عبدل یہ مشورہ قبول کر لیتا ہے اور دل پر پتھر رکھ کے وہ رستہ اختیار کر لیتا ہے

ناصر یہ وفا نہیں جنوں ہے

اپنا بھی نہ خیر خواہ رہنا

اس کے بعد جب 'آواز' اسے قائل کر لیتی ہے کہ اب اس کے 'پیڑ کی جڑیں سوکھ چکی ہیں، اس کے 'پھل' کو اندر سے کیڑوں، نے چاٹ لیا ہے اور اب اس میں کبھی رس نہیں پڑے گا تو وہ گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کر لیتا ہے اور کڑوے نیم کی ٹہنی، چن لیتا ہے۔

سات برس گزر جانے کے بعد بعد بھی اگر اسے ضمیر کی خلش کبھی کبھی تنگ کرتی ہے لیکن اسے یقین ہے کہ نہ تو اس نے بے وفائی کا مظاہرہ کیا تھا نہ بزدلی کا۔ آخری منظر میں جب آواز اسے ملامت کا نشانہ بناتی ہے تو وہ اپنا پورا پورا دفاع کرتا ہے۔

(۵)

ریل کے منظر کے علاوہ "سر کی چھایا" کے تمام مناظر سورج پور، یا اس کے گرد و نواح کے ہیں اور سورج پور ایک گاؤں ہے۔ چنانچہ ہمیں ہر وہ بات نظر آتی ہے جو یہاتی زندگی اور ماحول میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً مویشی، کنواں، رہٹ، حقہ، ندی، مرچوں کے کھیت، سرسوں کی پھلچی، کیکر، املی، بڑھ، پیپل اور نیم کے درخت، دھوپ، چھاؤں، تنبورہ، اِک تارہ، ناچ کتھا، میلے ٹھیلے، لوگوں کی سادگی، قناعت، ضعیف الاعتقادی، قسمت پر یقین وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سب سے زیادہ لائقِ توجہ جانور اور پرندے ہیں۔ مضافات میں پائے جانے والے تقریباً تمام چوپائے اور پرندے موجود ہیں اور بعض تو باقاعدہ کرداروں کی حیثیت رکھتے ہین۔ دوسرے منظر کے آغاز میں کرداروں کی فہرست یوں ہے:

پپو۔ (عبدل) عمر ۶ سال

گٹی۔ (حسنی) عمر ۸ سال

رِکٹو۔ گلہری

— بندر

بلہا۔ سورج پور کے نمبردار کا لڑکا عمر ۹ سال

نندی۔ بلہے کی بہن عمر ۶ سال

منظر کے دوران میں رِکٹو کیکر کے تنے پر سے بار بار اترتی ہے سڑک کے درمیان تک آتی ہے، پھر بندروں کے ڈر سے یا کوئی آہٹ سن کر لوٹ جاتی ہے نہ اور اس منظر کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے: بُلہا نندی کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے گزر جاتا ہے اور کٹو پھر واپس کیکر کے تنے پر چڑھ جاتی ہے۔ بندر شور مچاتے ہیں۔

تیسرے منظر کے کرداروں میں گھوڑا اور بیل بھی شامل ہیں اور باقاعدہ مکالمہ بھی کرتے ہیں۔ ناچ کتھا میں، بندو ساز چھیڑتا ہے اور حسنی ناچنے لگتا ہے۔ ہرنوں کی ایک ڈار چوکڑیاں بھرتی ہوئی گذر جاتی ہے۔

چوتھے منظر میں، عبدل سامنے ایک کیکر کے درخت پر گُرسل کو کنکر مارتا ہے، پھر نندی اور عبدل کے مابین جو مکالمہ ہوتا ہے اس میں اُلّو، نیل کنٹھ چوہے، کالے ناگ، بھیڑوں اور اونٹوں کا ذکر آتا ہے اور فاختہ تو خاصی دیر موضوعِ گفتگو بنی رہتی ہے۔

ساتویں منظر میں بھوکی گائیں اور ان کے دودھ سے خالی تھن عبدل کے خیال میں آتے ہیں۔ آٹھویں منظر میں حسنی کے گیتوں میں کُونج، چیل، بل بتوریوں اور چڑیوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اکبر جنگلی کبوتروں کی ٹکڑیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے اور بندو اُلّو کی آواز کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے۔

یہ پرندے، جانور اور درخت، محض پرندے، جانور اور درخت ہی نہیں ہیں۔ جاندار ہونے کی حد تک ان کا درجہ انسانوں سے کچھ کم نظر نہیں آتا۔ مثلاً، ساتویں منظر میں فیاض کا کہنا:

ہاں کچھ ایسا ہی قصہ ہے
گھو ڑ سواری کھیل نہیں ہے
اپنے پاس بھی دو گھو ڑے ہیں
میں نے انہیں بچوں کی طرح سے پالا ہے

یا جیسے آٹھویں منظر میں حسنی گاتا ہے

چڑیاں ترسیں گھونٹ کو دھرتی دھول اڑائے
تم رہو اس دیس میں ہم سے رہا نہ جائے

پھر بعض کو تو عام سطح سے کچھ بلند تر مقام دیا گیا ہے۔ مثلاً چوتھے منظر میں فاختہ کے بارے میں نندی کہتی ہے:

امی کہتی تھیں یہ اک مقدس پرندہ ہے اس کو نہیں مارتے!

اور آٹھویں منظر میں جب اکبر کبوتروں کو مارنے کی بات کرتا ہے تو بندو کہتا ہے!

بڑا ہی بھولا پنچھی ہے یہ سیّد اس کی ذات
بھرے سمے مت مارو اس کا مانو میری بات

یا ساتویں منظر کا یہ مکالمہ:

فیاض: گھوڑا تو بس قسمت والے کو ملتا ہے
اس کے کانوں سے جنت کی ہوا آتی ہے
اس کی ٹاپ سے دھرتی کا دل کانپ اٹھتا ہے

احمد: مگر کالے گھوڑے کی کیا بات ہے
تم نے دیکھا ہے شاید وہ گھوڑا
وہی کالا گھوڑا!

اس کے علاوہ کچھ کو مبارک یا منحوس بھی گردانا گیا ہے۔ ساتویں منظر ہی میں احمد کہتا ہے:

مِرے پاس بھی ایک چینا ہے
اس میں بڑا دم ہے بھائی!
بڑا ہی مبارک ہے یہ چینا گھوڑا
مِرے پاس جس دن سے ہے یوں سمجھ لو کہ بس لکشمی آ گئی

آٹھویں منظر میں حسنی گاتا ہے:

ایک کونج میں ایسی دیکھی اڑے چھوڑ کے ڈار

سانجھ بھئے جس دیس میں اترے وہاں نہ ہوا جیار

پھر اتو کی آواز سن کر بندو کہتا ہے:

یہ بولے جس گاؤں ماں پھر نہ بسے وہ گاؤں

یارو اب نئیں بولنا یہاں کسی کا ناؤں

اور گھوڑوں کی باتیں کرتے ہوئے احمد یہ بھی کہتا ہے:

بعض گھوڑا تو سچ مچ ہی منحوس ہوتا ہے

پرندوں اور جانوروں کے ساتھ ساتھ درخت بھی جاندار اور بعض انسانی خصوصیات کے حامل نظر آتے ہیں۔ مثلاً چوتھے منظر میں نندی کہتی ہے۔

شام کی خامشی میں درختوں پہ کنکر نہیں مارتے

شام کی پیڑ آرام کرتے ہیں عبدل

اور عبدل کہتا ہے: وہ املی کا درخت ابھی تک اسی طرح خاموش کھڑا ہے۔

یہ درخت ان کی یادوں کا محافظ اور محبت کا گواہ ہے۔ اس کے برعکس پیپل کا یہ درخت مخالف کی صورت میں نظر آتا ہے:

عبدل: اس تالاب کے پیپل کے نزدیک نہ جانا!

یہ سب کچھ ایسا بے معنی اور بے سبب بھی نہین۔ جغرافیائی حالات انسانی زندگی پر بے حد اثر انداز ہوتے ہیں۔ کسی خاص قسم کے علاقے میں رہنے والے لوگوں کی بہت سی آسائشیں اور مشکلیں محض اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ وہ اُس خاص علاقے میں رہتے ہیں۔ یہ وہ حالات ہوتے ہیں جن کے ہونے یا نہ ہونے پر نہ صرف یہ کہ انسان کا اختیار بہت کم ہوتا ہے بلکہ یہ اس کی مرضی کے خلاف اس کی زندگی پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔ انسان نے پناہ محنت اور توجہ سے ایک کام کرتا ہے مگر کوئی معمولی سا واقعہ یا حادثہ سب کئے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے

کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا

آیا کتا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا

گویا فطرت میں انسان کی موافق اور مخالف دونوں کی طرح کی قوتیں کارفرما ہیں۔ منصوبہ بندی کرتے وقت ان کا خاص دھیان رکھنا چاہیئے۔ پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ موافق قوتیں مخالف قوتوں میں بدل جائیں۔ ایسا تو انسان کی اپنی کوتاہی سے یا باہر کے حالات میں یکدم اور بعض اوقات بڑے پیمانے پر تبدیلی آنے کے باعث ہوتا ہے۔ مثلاً، زندگی کرنے کے لیئے سورج پور، ایک مثالی گاؤں تھا۔ عمدہ فصلیں، صحت مند مویشی، گھنا جنگل، بھرپور ندی، غرض جو چاہیئے سو تھا۔ مگر جیسا کہ آخری منظر میں فیاض کی زبانی پتہ چلتا ہے:

سات برس میں اس دھرتی کی ایسی کایا پلٹی!

پہلے جنگل راکھ ہوا، پھر کال پڑا
سیلاب تو بس ایسا آیا کہ توبہ میری!

دیہاتی ماحول کے ضمن میں ایک اور قابلِ توجہ بات دیہاتی زبان ہے۔ مشرقی پنجاب کے شہروں، انبالہ اور پٹیالہ اور گردونواح میں بولی جانے والی زبان، 'سُر کی چھایا' میں کئی جگہ استعمال کی گئی ہے۔ مثلاً پہلے منظر میں ایک اسٹیشن پر ملی جلی آوازیں:

بیرا اگی چلنے لاگی دوڑ کے آجا
تیرا ٹکس کہاں ہے؟
چھجو چاچا میرا بکسا کھڑکی ماں تے پھینک دے جلدی
اچھا اللہ بیلی بیرا!
ہو! چھٹی استابی پایئے!

تیسرے منظر میں کورس کی آواز:

اس بانکے رے ترچھے گھونگٹ ماں توں سارے جگ تے نیاری دیکھے

پھر ایک آواز: تجھے پر جھمر لشکاں مارے مانگ ماں چمکیں ٹوماں
دوسری آواز: سارا گاؤں دہائیاں دیوے سہراں پڑ گئیں دھوماں
پھر عورت کا کہنا: ہٹ دور پرے کل موئے
تو میرا جوبن چھوئے
تیری آکھیوں ماں ڈالوں سوئے
کل موئے

بیل اور گھوڑے کا تمام تر مکالمہ اسی زبان میں ہے۔ بندوا زاول تا آخر یہی زبان بولتا ہے اور کہیں کہیں حسنی اور بلھا۔ نویں منظر میں 'نادی' اسے اور دسویں منظر میں بلھے سے حسنی کے مکالمے زیادہ تر اسی زبان میں ہیں۔

(٦)

اڑ گئے شاخوں سے یہ کہہ کر طیور
اس گلستاں کی ہوا میں زہر ہے

ہجرت 'سُر کی چھایا' کا ایک اہم موضوع ہے۔ ناموافق حالات میں انسان نقلِ مکانی کے بارے میں سوچنے لگتا ہے۔ جیسے آٹھویں منظر میں حسنی کہتا ہے:

چڑیاں ترسیں گھونٹ کو دھرتی دھول اڑائے

تم رہو اس دیس میں ہم سے رہا نہ جائے

لیکن ایسی صورتِ حال بھی پیدا ہو سکتی ہے جب عافیت اور بقا کا واحد راستہ ہجرت ہی ہوتا ہے۔ چھٹے منظر میں آواز کہتی ہے:

وہ رستہ ہے!

راتوں رات نکل جا عبدل!

لیکن برسوں کے رشتوں کو یکدم توڑ دینے کا تصور بھی جانکاہ ہے۔

عبدل: لیکن یہ میرا گھر!

یہ میرے ماں باپ!

کہاں جاؤں گا؟

ندی میرے ارمانوں کا آخری سنگم!

اب آواز مدلّل طریقے سے عبدل کو قائل کرنے کی کوشش کرتی ہے:

اب اس پیڑ سے اُڑ جا

اس کی جڑیں اب سوکھ

اس کے پھل کو اندر سے کیڑوں نے چاٹ لیا ہے

ہوا چلے یا پانی برسے

اب اس پھل میں رس نہ پڑے گا

چاند کی کرنیں دستک دے کر

الٹے پاؤں پلیٹ جائیں گی

چھلکا پیلا پڑ جائے گا

اب اس پیڑ سے اڑ جا

دور کسی جنگل میں ڈال بسیرا

کڑوے نیم کی ٹہنی چُن لے

پیڑ خاندان اور گھر کی علامت ہے جس کی جڑیں (گاؤں سے رشتہ) سوکھ چکی ہیں۔ اس کے پھل (مستقبل) کو کیڑوں نے ایسے کھوکھلا کر دیا ہے کہ اب کئی ہوا یا پانی سے اس میں رس نہیں پڑ سکتا۔ چاند کی کرنیں، ہمدرد اور تعمیر میں مدد قوتیں ہیں جو آئیں گی ضرور لیکن مایوس ہو کر لوٹ جائیں گی جیسے کسی لاعلاج مریض کو دکھ کر طبیب۔ چھلکا یعنی ظاہری روپ رفتہ رفتہ ماند پڑ جائے گا۔ چنانچہ اب اپنے گاؤں

میں عبدل کے پہنچنے کا کوئی امکاں باقی نہیں رہا۔ اب چاہے اسے دور کسی جنگل میں بسیرا ڈالنا پڑے، سورج پور سے بہر طور نکلنا ہوگا۔ پھل دار درخت کو چھوڑنا ہوگا چاہے آشیانہ کڑوے نیم کی ٹہنی پر بنانا پڑے۔ حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا، اگرچہ بڑی تلخ ہے۔

ہجرت ہی کے ضمن میں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ بعض اوقات انفرادی اور اجتماعی ترقی اور تعمیر کے لیے ہجرت ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً پہلے منظر میں احمد اور فیاض کا یہ مکالمہ:

آپ بھی اب نویں شہر میں گھر بنالیں
بڑی خوبصورت جگہ ہے

فیاض: جی ہاں! اپنا ارادہ تو پکا ہے
پھول گلی میں پچھلے برس دو قطعہ زمین لیے تھے۔
اب تو نیویں کھدنے لگی ہیں۔
اللہ کو منظور ہوا تو گھر بھی جلدی بن جائے گا!

احمد: اب تو چاروں طرف سے وہاں لوگ بسنے لگے ہیں
نئی طرز کی کوٹھیاں بن رہی ہیں
کُھلی طرز کی کوٹھیاں بن رہی ہیں
سڑکوں کے دونوں طرف سنگتروں کے درختوں کا اک سلسلہ ہے۔

یہی احمد سات برس پہلے (آٹھویں منظر میں) نقل مکانی کی آرزو کرتا ہے مگر حالات اجازت نہیں دیتے:

چلو شہر میں چل کے ڈیرہ لگائیں
مگر بھائی ہم تو پنہ گیر ہیں
شہر میں کیا کریں گے؟
وہاں ان دنوں کام ملنا بھی مشکل ہے
اپنا کوئی یار ڈپٹی کلکٹر ہی ہوتا
نہیں یار اب تو یہیں مر رہیں گے
اسی گاؤں میں گھر بنائیں گے
اب تو یہی تھل بسائیں گے

اب یہی احمد 'پرانی' جگہ کو چھوڑ کر 'نویں' شہر میں ایک بہت بڑی حویلی میں رہتا ہے۔ اس کے برعکس حشمت، نصیبن اور بلھے کے ماں باپ جنھوں نے تعصب آمیز محبت کی وجہ سے گاؤں چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا، سیلاب میں بہہ گئے۔ آخری منظر میں فیاض اور احمد کا

یہ مکالمہ ان کے رویے پر تبصرہ، کرتا ہے:

فیاض: بندو اور میں کشتی لے کر سب سے پہلے عبدل کے ڈیرے میں پہنچے
حشمت باوا اور نصیبن گھر سے نہ نکلے

احمد: میں بھی اس رات اکبر کو لے کر گیا تھا مگر وہ نہ مانے!
اجی یہ پرانے زمانے کے بوڑھے کسی کی نہیں مانتے
خیر اچھے تھے وہ لوگ!
دنیا میں اب ایسی مشکلیں کہاں ہیں؟

(۷)

پھر درد نے آگ راگ چھیڑا
لوٹ آئے وہی سمے پرانے

آگ 'سر کی چھایا' کی نمایاں ترین خصوصیات میں سے ایک ہے۔ کبھی یہ شدید گرمی کی شکل اختیار کرتی ہے۔ کبھی کڑی دھوپ کی، کہیں یہ نفرت کا شعلہ ہے، کہیں حسد کا دھواں، کبھی وصال کی آنچ اور کبھی فراق کی سوزش۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جس گاؤں کی یہ کہانی ہے وہ سورج پور ہے۔ موسم گرمیوں کا ہے۔ پلے منظر کے آغاز ہی میں احمد فیاض سے کہتا ہے:

دیکھیے نا اُدھر کس قدر دھوپ ہے!
آپ ادھر میرے نزدیک آ جائیں

پھر تھوڑی ہی دیر بعد کہتا ہے:

چار دن کتنی جھڑیاں لگیں پھر بھی گرمی کی شدت وہی ہے!

باتوں باتوں میں سورج پور کا ذکر آتا ہے تو سات برس پرانی آگ اور گاؤں کی بربادی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ عبدل سوچتا ہے:........

سورج پور اب بھی نہ بسے گا
سورج پور!.... وہ آگ کی نگری!
وہ اندھاری رات..... وہ جنگل!

چوتھے منظر میں زرینہ کا گانا سن کر یاسمینہ کہتی ہے:

اچھا جی اب میں سمجھی!

تو بھی جلی ہوئی ہے

پھر عبدل کہتا ہے:..................

رات کے تارے آگ کی ہولی کھیل رہے ہیں

پانچواں منظر تو ہے ہی، آگ کا منظر۔ سات برس پہلے والا۔

عبدل: کیسے بھاگوں؟

آگ۔ آگ۔ آگ

چاروں جانب آگ کا دریا

.. ..

آواز: آگ کسی کی میت نہیں ہے

.. ..

چھٹے منظر میں 'جنگل کی آگ کے شعلے ابھی تک بھڑک رہے ہیں.......،

آٹھویں منظر میں: ....الاؤ کی آگ بھڑک رہی ہے، حسنی گاتا ہے:

رنگ بڑنگے گر بڑے آگ کے پنکھ لگائے

گھپ اندھیری سانجھ ماں کس نے یہاں اڑائے

نویں منظر میں آگ اندر کی آگ بن جاتی ہے:

بھانبڑ جلے سر یر ماں رنگ اچھالیں نین

من دیپے جس رین ماں یہی نہ ہوں وہ رین

یا سدکی آگ: دھرتی اوپر نیلا گگن، گگن پہ ناچیں پھول

ان کی چھایا دیکھ کر جل میں جلیں بھنبول

مگر کچھ ہی دیر بعد آگ اپنی اصل صورت میں سامنے آجاتی ہے:

احمد: ارے وہ اُدھر آگ!

اس آگ کے پاس........ اک آدمی زاد!

.. ..

حسنی: دھڑ دھڑ جلے سوکھی لکڑی جگر جگر انگار

آگ کی اٹھتی لاٹ سے نکلیں سرخ انار

یہ آگ ناری کا پردہ بھی ہو سکتی ہے اور دفاع بھی:

اگنی برن کی اوٹ ماں، اپنا بدن چھپا

او ناری او مورکھ ناری اپنا ناؤں بتا

پھر عذاب کی شکل بھی ہو سکتی ہے:

ناری: .. ..

بجلی پڑے ان محلوں پر، تم پر پڑو انگار

منظر جب ختم ہوتا ہے تو آگ کے شعلے آسمان تک بلند ہو رہے ہیں.......;

دسویں منظر میں بھی چاروں طرف جنگل دھڑ دھڑ جلتا ہے۔ پھر جب احمد پوچھتا ہے

آگ کسی نے لگائی تھی بھائی!

ملا کچھ پتہ؟

تو ذہن میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ فساد کچڑ کون ہے؟ اصل قصور کس کا ہے؟

گیارہویں منظر میں آگ تعمیری کام کے لیے استعمال ہو رہی ہے۔ یہاں وہ انسان کی مطیع اور دوست ہے:

شیشہ گر: .. ..

یہ چمنی ہے! چمنی میں ایندھن جلتا ہے۔

ایندھن کولے کا ہوتا ہے۔ لکڑی اور پتھر کا کولہ!

یہ بھٹی ہے! بھٹی میں شیشہ پگھلتا ہے اور سانچوں میں گرتا ہے۔

.. ..

بارہویں منظر میں گرمیوں کی دوپہر ہے اور عورت کا گانا آگ سے معمور ہے:

کنچن روپ دکھائے

سرگم سا (سارے گاما سا)

جل میں آگ لگائے

چھم چھم ناچے کھڑی دوپہری

دھوپ کی تانیں گہری گہری

سر گم سا

جل میں آگ لگائے

.. ..

اور جب اکبر کہتا ہے: ہمارے مفتی گذر گئے ہیں

یہ آخری شمع رہ گئی تھی

تو آگ ٹھنڈک اور روشنی کا تاثر لیے ہوئے ہے۔

(۸)

چڑھتے سورج کی ادا کو پہچان

ڈوبتے دن کی ندا غور سے سُن

یہ شعر ناصر کاظمی کی جس غزل کا ہے، انہیں اس قدر پسند تھی کہ جب ان کے آخری انٹریوں میں ان سے شعر سنانے کی فرمائش کی گئی تو انہوں نے اس کا انتخاب کیا۔ کہا کہ " بعض وجوہ کی بنا پر مجھے پسند ہے کہ طلوع و غروب کے مناظر ہیں۔ حیرت و عبرت کہ دنیا میں کیا ہوتا ہے، کس طرح چیزیں ڈوبتی ابھرتی ہیں۔ کس طرح صبح شام میں ہوتی ہیں......."

اتفاق کی بات ہے کہ 'سُر کی چھایا' میں بھی یہ طلوع و غروب اور چیزوں کا ڈوبنا ابھرنا واضح طور پر دکھائی دیتا ہے ع رواں دواں لیے جاتا ہے وقت کا دھارا۔

'سر کی چھایا' جس کی ابتدا، کس قدر دھوپ، اور لوگوں سے بھرپور، بارونق گاؤں میں ہوتی ہے، ایسے مقام پر آ کر ختم ہوتی ہے، جہاں بے اختیار یہ شعر یاد آتا ہے

جنگل میں ہوئی ہے شام ہم کو بستی سے چلے تھے منہ اندھیرے

ڈرامے کا آغاز ہی اس جملے سے ہوتا ہے:

'شام کا وقت ہے ----'

'وقت۔ ڈھلتا سورج'

جب فیاض پوچھتا ہے، سورج پور اب تھوڑی دور ہی ہوگا؟ تو احمد کا جواب ہے، نہیں گھر پہنچتے پہنچتے ہمیں رات پڑ جائے گی۔ تھوڑی دیر بعد جب، گاڑی ایک ننھے سے اسٹیشن پر رک جاتی ہے تو سورج ڈوب رہا ہے۔ پھر مولوی صاحب باتوں باتوں میں کہتے ہیں:

بتوں کی چاہ گئی ہو برا ضعیفی کا

اِدھر تو پک گئے بال اور اُدھر سدھارے دانت

اپنا دن ڈوب چکا بابا!

یہاں دن ڈوبنے کے اور معنی ہیں۔

صرف دوسرا اور تیسرا منظر 'دن چڑھے' کا ہے۔ چوتھا منظر پھر شام کا۔

عبدل نندی سے پہلی بات یہی کرتا ہے:

آؤ میں تم کو گھر چھوڑ آؤں

دیکھو سورج کتنا نیچے اتر گیا ہے!

جب اکبر ملتا ہے تو اس کے جملے یہ ہیں:

بڑی اندھیری ہے آج کی شام

آندھی آئے گی

اب شام کے ساتھ ساتھ تاریکی اور آندھی بھی شریک ہو گئی۔ جب گھوڑ سواروں کے آنے پر گرد اڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہے تو نندی کہتی ہے:

چلو اس بنی کے درختوں میں چھپ جائیں

رات ہو گئی ہے!

پانچویں منظر ایسے شروع ہوتا ہے: اندھیرے جنگل میں عبدل نندی کو ڈھونڈتا ہے..... خاصی رات ہو گئی ہے، چھٹے منظر کا آغاز یہ ہے: آدھی رات گذر چکی ہے۔ ساتواں منظر پھر ریل گاڑی کا ہے اور پہلا جملہ ہے، سُورج ڈوب رہا ہے۔ آٹھویں منظر میں بھی شام ہو رہی ہے، نواں منظر...... اندھیری رات ہے۔ سنّاٹا ایک حادثے کی طرح پھیلتا جا رہا ہے...... دسویں منظر میں رات ہو گئی ہے، البتہ گیارہوں منظر میں صبح کا وقت ہے، اور بارہویں میں 'گرمیوں کی دوپہر ہے، آخری منظر کی ابتدا رات ہو گئی ہے، سے ہوتی اور انتہا:

کوئی آواز بھی تو نہیں!

کوئی بتی نہیں!

یہ تو جنگل ہے سنسان جنگل!!

(۹)

ہم نے محفوظ کیا حُسنِ بہار

عطرِ گل صرف خزاں تھا پہلے

ناصر کاظمی سے ایک بار سوال کیا گیا کہ آپ نے شعر کیوں اور کیسے کہنا شروع کیا تو انہوں نے اس کا ایک سب یہ بتایا کہ انہیں یوں لگتا تھا کہ جو خوبصورت چیزیں وہ فطرت میں دیکھتے ہیں، ان کے بس میں نہیں آتیں: ان کی گرفت سے نکل جاتیں ہیں اور ہمیشہ کے لیے چلی جاتی ہیں۔ جو وقت مر جاتا ہے وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا۔ شاعری میں زندہ ہو سکتا ہے۔

دیکھا جائے تو یہ جذبہ ہر تخلیق کے پیچھے کارفرما ہوتا ہے، خواہ شعری ہو یا نثر، مصوری اور سنگتراشی ہو یا موسیقی۔ جو لمحہ جتنا خوبصورت اور قیمتی ہوگا، اسے پھیلانے اور محفوظ کرنے کی خواہش اتنی ہی شدید ہوگی۔ تخلیق کار کامیاب ہو یا ناکام، اس لمحے کی یاد نہ صرف باقی رہتی ہے بلکہ تڑپاتی رہتی ہے۔ اس لحاظ سے حسن پرستی پر ماضی کا گمان ہوتا کچھ ایسا عجب نہیں۔

ہر ڈرامہ نگار یا ناول نویس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے کرداروں کے ذریعے اپنے خیالات، یادوں اور خوابوں کی تشہیر کرنا چاہتا ہے۔ یعنی مخلوق کے پردے میں خالق خود بول رہا ہوتا ہے۔ یہ بات ایک حد تک درست ہے تخلیق کا تخلیق کار سے ایسا ہی تعلق ہوتا ہے جیسا پھلا کا درخت سے یا خوشبو کا پھول سے۔ اگر ناصر کاظمی کے ایک اچھے قاری کو مصنف کا نام بتائے بغیر 'سر کی چھایا' پڑھنے کو دی جائے تو وہ جلد ہی جان جائے گا کہ یہ کس کی تخلیق ہے

رفتگاں کی یاد، ہجرت کا تجربہ، فراق، اداسی، فطرت سے لگاؤ، جانوروں اور پرندوں سے محبت، سیر و سیاحت، گھوڑ سواری اور موسیقی کا شوق وغیرہ، ناصر کاظمی کی زندگی اور شاعری کی چند نایاب اور ہم ترین خصوصیات ہیں اور سُر کی چھایا، میں بھی انتہائی شدت کے ساتھ کارفرما نظر آتی ہیں۔

(۱۰)

'سر کی چھایا' محض ایک پڑھی جانے والی منظوم کہانی نہیں بلکہ باقاعدہ سٹیج پر پیش کیا جانیوالا ڈرامہ ہے یہ حقیقی سٹیج اور اس کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔

بقول ولسن نائٹ، ڈرامے کو کاغذ کے اوراق سے جیتے جاگتے سٹیج پر منتقل کرنا کسی نازک فرنیچر یا بھاری مشینری کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا سا عمل ہے۔ اگر اسے جوں کا توں لے جایا جئے تو ٹوٹ پھوٹ لازمی ہے۔ اس کے مختلف حصوں یا پرزوں کو الگ الگ کر کے احتیاط سے لے جانا پڑے گا اور پھر انہیں جوڑ کر دوبارہ تشکیل کرنا ہوگا چنانچہ ہدایت کار ڈرامے کے نئے سرے سے تخلیق کرنے کا اہل ہونا چاہیئے۔ ایسا تبھی ممکن ہے جب وہ ڈرامے کو نئے سرے سے تخلیق کرنے کا اہل ہونا چاہیئے۔ ایسا تبھی ممکن ہے جب وہ ڈرامے کی مابعدالبیعاتی اساس سے واقف ہو۔ وہ اسے محض ایک اچھی کہانی نہ سمجھے جس میں کہیں کہیں ڈرامائی صورت ہائے احوال ہوں۔ اسے چاہیئے کہ سب سے پہلے انتہائی توجہ سے ڈرامے کی مدلل تعبیر اور تفسیر کرے۔ تفصیلات پر غور و فکر بے ثمر ثابت ہوگا جب تک ان میں رشتہ قائم کرنے والا وحدانی خیال بے نقاب نہ کیا جائے۔ محض سطح سے کام نہیں نکالا جا سکتا۔ باطنی معانی میں اتنا ضروری ہے۔ ہم کوئی ڈرامہ پیش نہیں کر سکتے جب تک اس کا مکمل احاطہ نہ کرلیں اور اسے ایک وحدت کے طور پر نہ دیکھنے لگیں۔ انفرادی لمحوں کی بجائے پورا ڈرامہ نظر میں ہونا چاہیئے۔ ایک صورت حال دوسری صورتوں کی وضاحت یا عکاسی کرتی ہوئی دکھائی دے۔ فوری اور لمحاتی تاثر کافی نہیں ہوتا۔

'سر کی چھایا' کی مابعدالبطیعاتی اساس کیا ہے؟ اس کے باطنی معانی کیا ہیں اور وُہ وحدانی خیال کیا ہے جو اس کے اجزاء میں ایک پائیدار رشتہ قائم کرتا ہے؟

عبدل تمام حساس انسانوں کا نمائندہ ہے۔اس کا کرب ہم سب کا کرب ہے اس کی کہانی ہر انسان کی کہانی ہے۔انسان۔جسے چننے اور مسترد کرنے پر اختیار ہے لیکن یہی اختیار اس کی سب سے بڑی مجبوری بھی ہے " کچھ حاصل کرنے کا مطلب بہت کچھ کھو دینا بھی ہے۔ایک طرف دیکھنے کے معنی ہیں باقی ہر طرف سے منہ موڑ لینا۔ایک جگہ پاؤں رکھنے کا مطلب سینکڑوں جگہ پاؤں نہ رکھنا ہے۔پھر جو کچھ حاصل ہوتا ہے اسے بھی تو ثبات نہیں۔زندگی ہر لحظ دست بردار ہوتے رہنے کا نام ہے۔اپنی آرزوؤں،صلاحیتوں اور قوتوں سے اپنے خوابوں،ساتھیوں اور پیاروں سے بالآخر کیفیت اس شعر کے مصداق ہو جاتی ہے

شکستہ پا راہ میں کھڑا ہوں گئے دنوں کو بلا رہا ہوں
جو قافلہ میرا ہمسفر تھا مثالِ گردِ سفر گیا وہ

حافظہ انتہائی قیمتی نعمتوں میں سے ہے لیکن یہ اتنا بڑا عذاب بھی بن سکتا ہے کہ انسان اس کے چھن جانے کی دعا مانگے۔محبوب کی یاد دل دھڑکنے کا سبب بھی ہو سکتی ہے اور دم نکلنے کا باعث بھی۔آگہی سکون بھی بخشتی ہے اور ایک دائمی آشوب بھی دور بینی شکست کو فتح میں بھی بدل دیتی ہے مگر بعض اوقات جنگ سے پہلے ہی ہتھیار پھینکنے کا باعث بن جاتی ہے دور اندیشی عمل کے لیے بھی محرک بنتی ہے اور بے عملی کو بھی جنم دیتی ہے۔مستقبل کی فکر کبھی تو پیغام بیداری بن جاتی ہے اور کبھی ایسی مایوسی پیدا کرتی ہے کہ تمام جد جہد لا حاصل اور بے ثمر نظر آتی ہے۔ خیال یار کڑی دھوپ کے سفر میں سر پر چادر کا کام دیتا ہے تو شب کی تنہائیوں میں کانٹوں کا بستر بھی بن جاتا ہے۔

تو کیا قنوطیت،یاسیت اور بے عملی،سر کی چھایا،کی اساس ہے؟ ہر گز نہیں؟ عبدل تمام مشکلات،مخالفتوں اور حادثوں کے باوجود زندگی کو ایک نعمت سمجھتا ہے وہ اگر چہ شدید محبت کرنے کا اہل ہے اور اپنی محبوبہ کے ساتھ جل مرنے کو بھی تیار ہوجاتا ہے لیکن اس کے اندر کا حقیقت پسند انسان ہمیشہ غالب آجاتا ہے۔اس کے خواب بہت حسین اور شیریں ہیں مگر وہ دنیا کو ان پر قربان نہیں کرتا

کچھ آدمی کی بھی مجبوریاں ہیں دنیا میں
ارے وہ دردِ محبت سہی تو کیا مر جائیں

نندی کو حاصل کرنے کے لیے وہ جان کی بازی لگا دیتا ہے لین وہ یہ بھی جانتا ہے کہ

وصالِ یار فقط آرزو کی بات نہیں

عبدل کی کہانی سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ زندگی سے فرار کی کوشش دُکھ اور پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ماضی میں پناہ لینا ممکن نہیں۔عبدل،احمد اور فیاض بار بار یادوں کی دنیا میں جاتے ہیں لیکن جلد یا بدیر حقیقت کی دنیا (گاڑی) میں واپس آجاتے ہیں یا یوں کہا جائے کہ انہیں واپس آنا پڑتا ہے۔آٹھویں منظر میں احمد نا مساعد حالات کے باوجود شکست ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔مایوسی کی باتیں کرتے ہوئے ایک نئے عزم اور امید کے ساتھ کہتا ہے:

اسی گاؤں میں گھر بنائیں گے
اب تو یہی تھل بسائیں گے

پھر گیارہویں منظر میں جب اکبر اس سے کہتا ہے:

تو اتنی جلدی ہی کیا ہے احمد؟

میرا تو دِل کانپتا ہے جب بھی خیال آتا ہے دوستوں کا

یہ حصّے دِصّے کی بات چھوڑو!

جو کام کرنا ہے کرتے جاؤ!

تو اس کا جواب ہے:

میں قانون کی رو سے کہتا ہوں

ورنہ مِرا دل بھی دکھتا ہے

حسنی بھی اپنا بڑا یار تھا

اور عبدل تمہارا بڑا دوست تھا

بلکہ دونوں تمہارے ہی ساتھی ______

مگر خیر! چھوڑو یہ باتیں!

ذرا گنج گھر تو دکھا دو!

آخری دو سطریں انتہائی اہم ہیں بلکہ زیر بحث موضوع کے بارے میں فیصلہ کن۔ بیتے ہوئے حسین لمحے کسے عزیز نہیں ہوتے؟ مگر گنج گھر (حال اور مستقبل) زیادہ اہم ہے زندگی ماضی اور مستقبل میں توازن قائم کرنے کا نام ہے۔ ماضی سے سبق سیکھ کر، قوت حاصل کر کے مستقبل کو سنوارنا ہی عینِ حیات ہے

ہر نفس شوق بھی ہے منزل کا
ہر قدم یادِ رفتگاں بھی ہے

اور دیکھا جائے تو 'برگ نے' کا یہ شعر سر کی چھایا، کا عنوان بن سکتا ہے بطف کی بات یہ ہے کہ گاڑی کے سفر نے زندگی کے سفر کو مجسم اور متحرک شکل دے دی ہے۔ مسافر اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے بھی بیتاب ہیں ور یادوں میں بھی کھو کھو جاتے ہیں۔ لیکن جونہی ماضی غالب آنے لگتا ہے، گاڑی رک جاتی ہے اور وہ بھی تاریک اور سنسان جنگل میں۔ گاڑی ایک لحاظ سے تصور کی علامت بھی ہے جو ماضی میں زیادہ دور نکل جائے تو غیر فعال ہو کر رہ جاتا ہے۔

وجہِ تسکین بھی ہے خیال اس کا
حد سے بڑھ جائے تو گراں بھی ہے

باصِر سُلطان کاظمی

اگست ۱۹۸۱ء

یہ سطریں راقم الحروف کے طویل نثری ڈرامے "بِساط" کے ایک مکالمے سے اخذ کی گئی ہیں۔ جب یہ تعارف لکھا گیا تھا اس وقت چونکہ "بِساط" شائع نہ ہوا تھا (اگرچہ یہ مکالمہ لکھا جا چکا تھا) لہذا اِس بات کی نشاندہی نہ کی جا سکی۔

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

سُر کی چھایا

(ایک کتھا)

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

پہلا منظر

شام کا وقت ہے۔ ریل گاڑی ایک پہاڑی علاقے میں فراٹے بھرتی ہوئی جا رہی ہے۔
درمیانے درجے کے چھوٹے سے ڈبّے میں چند مسافر بیٹھے ہیں تین آدمی ایک طرف بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

زمانہ ـــــــ ہجرت کے بعد

وقت ـــــــ ڈھلتا سُورج

کردار

احمد ـــــــ عمر ۳۷ سال

فیاض ـــــــ عمر ۴۱ سال

مولوی صاحب ـــــــ عمر ۵۷ سال

تصویر حُسین، منجن بیچنے والا ـــــــ عمر تقریباً ۴۰ سال

عبدل ـــــــ عمر تقریباً ۳۰ سال

[سفر کر رہا ہے۔ راستے میں اس کا گاؤں پڑتا ہے۔ احمد اور فیاض عبدل کے گاؤں میں رہتے ہیں، لیکن وہ دونوں عبدل سے ناواقف ہیں]

احمد ـــــــ میاں یہ تو کہنے کی باتیں ہیں
کچھ بھی نہیں وہم ہے۔

فیاض ـــــــ بس جی آپ نے سو باتوں کی ایک بات کہی ہے۔
آئے دِن کہیں جانا نکلنا ہی رہتا ہے

نیل کنٹھ کوئی ایسی چیز نہیں

یہ دائیں اُڑے یا بائیں

ہم نے تو کبھی دھیان دیا ہی نہیں......

احمد____ بھلا آج کل کے زمانے میں!

قبلہ! ذرا سوچیے تو سہی!!

مولوی صاحب__ تم مری عُمر کو پہنچو گے تو پھر پوچھوں گا

تم نے دیکھا ہی ابھی کیا ہے؟

فیاض____ آپ نے اِک دُنیا دیکھی ہے

گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے

ٹھیک ہے! لیکن آپ ہی سوچیں کیا یہ وہم نہیں ہے؟

احمد_____ دیکھے نا! اُدھر کس قدر دُھوپ ہے!

آپ اِدھر میرے نزدیک آ جائیں

کافی جگہ ہے!

فیاض____ مولوی صاحب آپ یہاں آ جائیں!

اس کھڑکی کے پاس ذرا آرام سے بیٹھیں!

مولوی صاحب___ تم مرا غم نہ کرو

میں جہاں بھی ہُوں وہیں اچھا ہُوں!

فیاض____ حضرت آپ تو سچ مچ رُوٹھ گئے ہیں

بحث میں ایسا ہو جاتا ہے

مولوی صاحب___ ابھی لونڈے ہو میاں! بات تو کرنا سیکھو!

میں نے تجھ سے کئی لونڈے دیکھے!

تیرے ابّا کے بھی ابّا کا زمانہ دیکھا

میں نے تو ایک صدی دیکھی ہے!

فیاض____ دیکھیے حضرت! ابّا وبّا رہنے دیں بس

نہیں تو.....

مولوی صاحب ___ بس مرے مُنّہ نہ لگو

ہُنہ بڑے آئے کہیں کے.....

فیاض ___ دیکھیے صاحب! آپ زبان سنبھال کے بولیں

چِٹّی داڑھی کی عزّت کرتا ہوں ورنہ!

چُپکے ہو کے بیٹھے رہیے!

مولوی صاحب ___ میں کہا چُپ رہو بس......

احمد ___ چار دن کتنی جھڑیاں لگیں پھر بھی گرمی کی شدّت وہی ہے!

فیاض ___ توبہ میری!

دن ہے یا شیطان کی آنت

احمد ___ بھلا کیا بجا ہے؟

فیاض ___ پُورے پانچ بجے ہیں

احمد ___ کہاں جائیں گے آپ؟

فیاض ___ سُورج پُور! بس اگلے اسٹیشن سے آگے

[عبدل ذرا دُور کونے میں کھڑکی کی طرف بیٹھا ہے۔ وہ سُورج پُور کا نام سُنتے ہی چونک پڑتا ہے اور پھر کسی خیال میں کھو جاتا ہے]

احمد ___ ارے پھر تو اک ساتھ اُتریں گے

میں تو نویں شہر جاؤں گا

فیاض ___ سُورج پور اب تھوڑی دُور ہی ہوگا!

احمد ___ نہیں! گھر پہنچتے پہنچتے ہمیں رات پڑ جائے گی

فیاض ___ آج تو ساتویں رات ہے خاصا چاند ہوگا

ٹھنڈے ٹھنڈے گھر پہنچیں گے

احمد ___ آپ کو میں نے پہلے بھی دیکھا ہے؟

فیاض ___ دیکھا ہوگا! نویں شہر میں دیکھا ہوگا!

میں بھی آپ کی صورت تو پہچان رہا ہُوں

کہاں ملے یہ دھیان نہیں

احمد ________ نویں شہر میں کچھ مہینے ہُوئے میں نے بنگلا لیا ہے
وہاں میرے بھائی کا لڑکا ہے
وہ ڈاکٹر ہے!
ارے ہیں! یہ گاڑی کی رفتار کو کیا ہُوا؟
[ریل گاڑی ایک جھٹکے سے اسٹیشن پر رُک جاتی ہے۔ کچھ مُسافر رنگ برنگے کپڑے پہنے ایک ڈبے کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔ سُورج ڈُوب رہا ہے۔ پھیری والوں اور مسافروں کی ملی جلی آوازیں اور انجن کی شائیں شائیں فضا کو خاموش کر دیتی ہے]

پہلی آواز ______ پان بیڑی سگریٹ

فیاض ______ بیڑی والے! او میاں بیڑی والے!
کون سا اسٹیشن ہے بھائی؟

پہلی آواز ______ بابو جی! یہ سیّد پُور ہے!

دوسری آواز ______ سو___ڈا___بر___ف___لے مَن سو___ڈا

فیاض ______ سگرٹ والے اِدھر تو آنا؟
جلدی! بھاگ کے! گولڈ فلیک کی ڈبیا دینا
چار پان بھی! باقی پیسے واپس کر دو
یہ لو ایک روپیہ!
(احمد کی طرف دیکھ کر) چائے پئیں گے؟

احمد ______ نہیں اب تو گھر ہی پہنچ کر پئیں گے!
.......میاں گاڑی چلنے لگی ہے
اب اندر چلے آؤ!!

آوازیں ______

بیرا گڈی چلنے لاگی دَوڑ کے آجا
تیرا ٹِکٹس کہاں ہے؟
چھجّو چاچا میرا بکسا کھڑکی کی ماں تے پھینک دے جلدی
اچھا اللہ بیلی بیرا!

ہوا اچھّی استابی پایئے!

[گاڑی چُھوٹتی ہے۔ فیاض احمد کے پاس آ کر بیٹھ جاتا ہے ایک منجن بیچنے والا دو چھوٹی چھوٹی شیشیاں ہاتھ میں لے کر آواز لگاتا ہے۔ عبدل کھڑکی کی طرف مُنہ کیے خاموش بیٹھا ہے]

فیاض ______ یہ تصویر حسین یہاں بھی آدھمکا ہے
اِس کی بات پہ دھیان نہ دینا
دھوکے باز کہیں کا.......

تصویر حسین ____ اے دوستو لایا ہُوں بڑی دور سے منجن
دندانِ مُبارک پہ لگالو مرا منجن
جس کے مُنہ سے آوے باس
اس کی دارُو میرے پاس،
یہاں خریدو آٹھ آنے میں
ریل گاڑی سے باہر لوں گا ایک روپیہ!
ہے کوئی بھائی! آٹھ آنے میں
منجن میرا سب سے نرالا
اس کو لے گا دانتوں والا

مولوی صاحب ___ "بتوں کی چاہ گئی ہو بُرا ضعیفی کا
اِدہر تو پک گئے بال اور اُدھر سدھارے دانت"
اپنا دِن ڈوب چُکا ہے بابا
جاؤ اب آگے سے رستہ چھوڑو!
اس طرف جاؤ ہوا آنے دو!

تصویر حسین ____ جاتا ہُوں چلا جاتا ہوں بگڑو نہیں بابا
اے دوستو لایا ہوں بڑی دُور سے منجن
دندانِ مبارک پہ لگالو مرا منجن

فیاض ______ (آہستہ سے) میں تو جانوں یہ پکّڑ باز ہے!

مُفت میں آٹھ آنے کیوں کھوئیں؟

احمد ________ میاں آٹھ آنے کے سگرٹ پئیں گے!

تصویر حسین _____ چھک بابا پیسہ لے جا

چھک بابا پیسہ لے جا

وزن برابر سب کو تول

دارو ہووے یوں انمول

زیرہ مہر چیں ستوا سونٹھ

کہتا اُجلا لے کر گھونٹھ

جون جوں لگا دے پا دے سُکھ

تجھ دانتوں کا جاوے دُکھ "

آٹھ آنے میں! ہے کوئی لینے والا بھائی!

ایک آواز ______ ی لو اٹھنی! ایک شیشی دے دینا بھائی!

دوسری آواز _____ ایک شیشی اِدھر کو بھی لانا!

تصویر حسین _____ منجن میرا سب سے نرالا

اس کولے کا دانتوں والا

آٹھ آنے میں! دُنیا لُٹ گئی

آٹھ آنے میں

آپ..... جناب...... آپ ___ اور آپ.......

فیاض _______ لیجئے سگرٹ پیجئے!

احمد ________ شُکریہ میں ابھی پی چکا ہوں

(مختصر سا وقفہ)

نویں شہر میں آپ کا گھر کہاں ہے؟

فیاض _______ وہاں تو اپنا کاروبا ہے

پچھلے دِنوں ہی بھائی نے ہوٹل کھولا ہے!

اب اچھا خاصا چلنے لگا ہے!

سُورج پُور میں اپنا گھر ہے۔

اُونچی مسجد سے کچھ آگے وہ جو عظمت منزل ہے نا!

وہی ہمارا گھر ہے۔

عبدل______ (سوچتا ہے) یہ فیاض ہے! عظمت منزل والوں کا وہ منجھلا لڑکا!

یہ میرے بچپن کا ساتھی!

....

یہ اب کتنا بدل گیا ہے؟

....

احمد______ کچھ مہینے ہوئے میں نے بستی سے دو میل پر پانچ ایکڑ لیے تھے

وہ عبدل........وہی کنج گھر پھر چلایا ہے ہم نے!

وہی شیشہ گر مِل گیا ہے

بس اب کام چلنے لگا ہے

فیاض______ اچھا اچھا اب میں سمجھا

آپ اکبر کے حصّہ دار ہیں!

بڑا ہی نیک انسان ہے اکبر

احمد______ تو کیا آپ اکبر سے واقف ہیں؟

وہ میرا ساتھی ہے!

فیاض______ کام تو اچھا خاصا ہے پر کاریگر ملنے مشکل ہیں

احمد______ اجی اپنے قصبے میں بے کار لوگوں کا توڑا ہے!

ان کو سکھا لیں گے بس دو مہینے کا قصّہ ہے

چھ سال کے بعد اس کنج گھر کو چلایا ہے

منت سے انجینئر کو منایا ہے

کیا آپ عبدل سے واقف ہیں؟

فیاض______ مدّت گُزر گئی! برسوں گُزرے!

میں تو اس کے بعد آیا تھا۔

بارہ برس کے بعد آیا تھا

پہلے سنگار پُور رہتا تھا۔

ابّا جی نے خط لکھا تھا ان کے بُلانے پر آیا ہوں

میں بھی اب تو بڑے سے کام کی سوچ رہا ہوں

عبدل______ (سوچتا ہے)

یہ احمد ہے! اکبر میرے دوست کا ساتھی!

کبھی کبھی یہ اکبر سے ملنے آتا تھا

اکبر میرا دوست مجھے کیا بُھول گیا ہے؟

اکبر، حُسنی دونوں ساتھی سوچتے ہوں گے!

میں اور رِندی دونوں جل کر.........

احمد______ (فیاض سے)

آپ بھی اب نویں شہر میں گھر بنالیں

بڑی خُوب صورت جگہ ہے

فیاض______ جی ہاں! اپنا ارادہ تو پکا ہے

پُھول گلی میں پچھلے برس دو قطعہ زمین لیے تھے

اب تو نیویں کھدنے لگی ہیں

اللہ کو منظور ہُوا تو گھر بھی جلدی بن جائے گا!

احمد______ اب تو چاروں طرف سے وہاں لوگ بسنے لگے ہیں

نئی طرز کی کوٹھیاں بن رہی ہیں

کُھلی صاف شیشہ سی سڑکیں ہیں

سڑکوں کے دونوں طرف سنگتروں کے درختوں کا اک سلسلہ ہے

فیاض______ سُورج پُور اب پھر نہ بسے گا

آج سے سات برس پہلے جب اس جنگل کو آگ لگی تھی

وہ دِن اپنے گاؤں کی بربادی کا دِن تھا

احمد______ جہاں مکّیوں کے مکاں تھے وہاں ڈاک خانہ بنا ہے

فیاض ______ ہاں جی! اپنے دیکھتے دیکھتے دُنیا کتنی بدل گئی ہے؟

جہاں وہ اینٹوں کا بھٹّہ تھا

جلے ہُوئے جنگل کے ٹھنٹھ پڑے تھے

وہاں یہ شہر بسا ہے!

احمد ______ جہاں وہ پُرانا کنواں تھا وہاں بجلی بن گیا ہے!

عبدل ______ (ہندی سے اپنی آخری مُلاقات اس کی آنکھوں میں پھر جاتی ہے)

.. ..

وہ دِن یاد ہیں!

اسی کنویں پر سانجھ سویرے کھیلنے آتے

وہ میلہ!........ وہ ناچ کتھا!

پھر چیت کا میلہ آیا........ مَن بھیا۔ ہو آیا۔

.. ..

سُورج پُور.. .. وہ آگ کی نگری!

وہ اندھیاری رات ____ وہ جنگل!

.. ..

کہاں ہو ہندی؟ یاد ہیں وہ دن؟

جب ہم چھوٹے چھوٹے سے تھے!

.. ..

میں اور حُسنی کھیل رہے تھے

دوسرا منظر

سُورج پُور کے زمیندار حشمت کا لڑکا عبدل اور اس کا منہ بولا بھائی حُسنی
دونوں اپنے مکان کے صحن میں کھیل رہے ہیں۔

کردار

پپو ____ عبدل) عمر ۶ سال

گٹی ____ (حسنی) عمر ۸ سال

کٹو ____ گلہری

____ بندر

بلّھا ____ سُورج پُور کے نمبردار کا لڑکا۔ عمر ۹ سال

نندی ____ بُلھے کی بہن عمر ۶ سال

(پپّو گھر کے صحن میں سے گاتا ہوا باہر ڈیرے میں آجاتا ہے)

پپّو ____ تُو چل قمری میں آتا ہوں
میں ہیرے پنّے لاتا ہوں
میں ٹُھم ٹُھم کرتا آتا ہوں
تُو چل قمری میں آتا ہوں
آتا ہوں!
آتا ہوں!
(پپّو حُسنی کو آواز دیتا ہے)
گٹّی بھیّا! دوڑ کے آؤ!
یہ دیکھو یہ کیا ہے بھیّا!

گٹّی ـــــــ ابے کیا ہے؟ کیوں کان کھائے ہیں؟

پ ـــــــ (بند مُٹھی کو دُور سے دکھا کر آواز دیتا ہے)

گئی بھیّا! ایک چیز ہے

چھوٹی سی ہے!

گ ـــــــ (دوڑا ہوا پپّو کے پاس آ کر پُوچھتا ہے)

بتا وے نا بھیّا!

میرے اچھے بھیّا نہیں ہو!

پ ـــــــ نا بھیّا جی تم ہی بوجھو!

گ ـــــــ .. .. اوھنی ہے!

پ ـــــــ ایسی ویسی چیز نہیں ہے!

گ ـــــــ ابے کھول مُٹھی!!

پ ـــــــ پہلے ہار تو مانو

گ ـــــــ بھلا تُجھ سے میں ہار مانوں!

ذرا اپنی مُٹھی کو سورج کے آگے تو لانا!

بتاتا ہُوں بس میں ابھی بُوجھتا ہُوں!

پ ـــــــ اتا پتا بھی اس کا سُن لو

کھانے میں نہ پینے میں

چکھنے میں نہ سُونگھنے میں

چھوٹی سی ہے!

بالکل ننھی مُنّی سی ہے

گوری چٹّی بگلے جیسی!

گ ـــــــ ابے او! یہ اِتی ہے!

کم بخت تُو نے چرائی ہے

پ ـــــــ ہم نی بتاتے!

ہم نی دکھاتے!

تم ہی بُوجھو!

گ ـــــــ اب تُو دکھاتا ہے یا مار کھائے گا:

پ ـــــ پہلے میرا ہاتھ تو چھوڑو!

(پپّو بھاگنے لگتا ہے)

گ ــــ (دوڑ کر اِسے پکڑ لیتا ہے)

ابے سل کُھٹیتے بتاوے نہیں تو!

پ ـــــ پہلے انی آنکھیں میچو!

رکن مِن کانی کون رکنا

رکن مِن کانی کون رکنا

ہت تیرے کی دیکھ رہا ہے!

آجا! آجا! آجا

اچھا جی! اب آنکھیں کھولو

(پپّو مُٹھی کھول دیتا ہے)

گ ـــــ ارے بس یہی چیز تھی نا!

یہ کنکی کہاں سے مِلی ہے؟

ارے باپ رے!

پپّو! وہ بندر اودھر آرہا ہے!

وہ بندر تجھے کاٹ کھائے گا۔

پ ـــــ کیوں کاٹے گا؟

یہ بندوق نہیں دیکھی کیا؟

تیری غلیل کہاں ہے؟

گ ـــــ ارے تُو نہیں باز آتا!

پ ـــــ وہ دئیں کٹّو آئی

آؤ اس کو پکڑیں بھیّا!

(کٹّو کیکر کے تنے پر سے بار بار اُترتی ہے۔ سڑک کے درمیان تک آتی ہے اور پھر

بندروں کے ڈر سے یا کوئی آہٹ سُن کر لوٹ جاتی ہے)

چڑی ٹیٹو ، چڑی ٹیٹو۔

چڑی ٹیٹو ، چڑی ٹیٹو

اُواُو ! خی خُو، اُواُوخی خُو

اُو اُو خی خو اُو اُو خی خُو

گ ____ ارے اولٹونی کہاں جارہا ہے!

پ _____ وہ کٹّو نہیں آتی بھیّا!

وہ ہم سے ڈرتی ہے!

(گٹی سڑک کی طرف دیکھ کر زور زور سے آواز دیتا ہے۔اس کا دوست بلّھا

اپنی بہن نندی کے ساتھ آرہا ہے)

گ ____ ارے ہم یہاں ہیں!

یہاں آؤ! نندی اِدھر! ہم یہاں ہیں!

پ _____ بلّھا بھی تو ساتھ ہے بھیّا!

میں اس سے نہیں بولوں گا جی!

گ _____ ابے چُپ رہو وہ مرا دوست ہے۔

بلّھا _____ ہم گھر چلے ہیں گٹی!

(بہن کو غصّے میں آواز دیتا ہے)

نندی! کہاں چلی ہو؟

ٹھہرو اُدھر نہ جاؤ!

پ _____ دیکھو نندی! یہ کیا چیز ہے؟

کِنکی لو گی؟

چٹّی ، کالی ، نیلی ،پیلی

رنگ رنگ کی کِنکیاں ہیں یہ

بلّھا _____ بیٹھا رہ چُپکا ہو کر

آیا بڑا کہیں کا!

نندی______ نا بھیّا جی پپّو جی کو کچھ نہ کہنا!

بُلّھا______ بکواس مت کرو جی!

نندی_____ پپّو جی ہم کل آئیں گے!

کل چُھٹّی کا دِن ہے پپّو

کل آوٗں گی!

پپّو______ ٹھرو! نندی وہ دیکھو وہ کٹو آئی!

(بُلّھا، نندی کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے گُزر جاتا ہے اور کٹو پھر واپس جا کر کیکر کے تنے پر چڑھ جاتی ہے۔ بندر شور مچاتے ہیں)

☆☆☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

تیسرا منظر

(سُورج پُور اور پُرانے جنگل کے درمیان ایک بہت بڑا میدان ہے۔اس میدان میں چیت کا سیلہ لگا ہے۔ ٹھٹہ کے ٹھٹھ آس پاس کی بستیوں سے میلہ دیکھنے آئے ہیں۔طرح طرح کی دُکانیں سجی ہیں۔قسم قسم کے گھوڑے اور مویشی میلے میں نمائش کے لئے لائے گئے ہیں۔ناچ رنگ سے ساری بستی گونج رہی ہے)

زمانہ ـــــ ہجرت سے پہلے

وقت ـــــ دن چڑھے

کردار

کچھ مَرد اور عورتیں

بُندو

نندی

حسنی

عبدل

اُوشا

گھوڑا اور ربیل۔

•عورتوں اور مردوں کی ایک ٹولی ناچ کتھا میں ڈُوبی ہُوئی ہے۔عبدل،نندی اور حسنی بھی اس ہجوم میں موجود ہیں)

کورس ـــــ پھر چیت کا میلہ آیا

من بھایا

ہوآیا

پھر چیت کا میلہ آیا

بندو ـــــــ چھب سُندر گورے گال

جوبن پر چمکیں لال

کھرا ہے مال

زمانہ گوری کا

کورس ـــــــ پھر چیت کا میلہ آیا

من بھایا

ہو آیا

عورت ـــــــ ہٹ دُور پرے کل ہوئے

تو میرا جوبن چُھوئے

تری آکھیوں ماں ڈالوں سُوئے

کل ہُوئے

کورس ـــــــ پھر چیت کا میلہ آیا

من بھایا

ہو آیا

بندو ـــــــ ہم تو ترے عِسک ماں مر گئے تنے کھیل کٹاری دیکھے۔"

(کورس) ـــــــ اِس بانکے رے ترچھے گھونگٹ ماں توں سارے جگ تھے نیاری دیکھے۔"

ایک آواز ـــــــ مَتّھے پر جھمّر لشکاں مارے۔ مانگ ماں چمکیں ٹوماں

دوسری آواز ـــــــ سارا گاؤں دہائیاں دیوے سہر ماں پڑ گئیں دھوماں

بندو ـــــــ جوں جوں گوری غصّے ہووے ملکے ہور بِی پیاری دیکھیے

کورس ـــــــ اس بانکے رے ترچھے گھونگھٹ ماں تُوں سارے جگ سے نیاری دیکھے

(تھوڑی دُور سے ڈھول اور تماشائیوں کی آوازیں آ رہی ہیں)۔....

دَھنا دَھن دَھن

دَھنا دَھن دَھن

نندی ـــــــ (عبدل سے)

چلو بیل گھوڑے کی دیکھیں لڑائی

(عبدل ذرا پانی پینے چلا جاتا ہے)

حُسنی ____ کبھی ہم سے بھی کرو پیار

اب یوں نہ کرو انکار

کرو اقرار

پھر چیت کا میلہ آیا

من بھایا

ہو آیا

نندی ____ چلے جاؤ حُسنی!

کئی بار تم سے کہا ہے کہ مُجھ سے نہ بولو!

عبدل ____ کیا ہے نندی! کیا ہے؟

حسنی بھیّا اُدھر چلو گے!

ڈھول کر آواز __ دھانا دِھن دِھن

دِھنک دِھنک دِھن دِھن دھا

دِھنک دِھنک دِھن دِھن دھا

(زندہ دِل تماشائیوں کا ایک ہجوم گھوڑے اور بیل کی لڑائی دیکھ رہا ہے۔ نندی اور عبدل بھی اس ہجوم میں بل جاتے ہیں۔ حُسنی ایک طرف ہجوم میں کھو جاتا ہے اور اپنا دوتارہ زمین پر دے مارتا ہے۔ ایک کالے گھوڑے کی پیٹھ پر سبز مخمل کا تارو ڈالا ہُوا ہے۔ پاؤں میں جھانجریں ہیں۔ اُدھر ایک نیلا بیل ہے جو گاؤں کا سب سے جوان اور خوفناک نارا ہے۔ اس کے سینگوں پر لوہے کے خود چڑھے ہُوئے ہیں۔ کمر پر سُرخ رنگ کی قیمتی چادر ہے۔ گھوڑے پر ایک نوجوان اَسوار ہے۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ ہے۔ گھوڑے اور بیل کے مالک ایک دوسرے کا للکارتے ہیں۔ لڑائی شروع ہوتی ہے)

ڈھول کی آواز_ دھانا دِھن دِھن

دھانا دِھن دِھن

دھانا دِھن دِھن

دِھنک دِھنک دِھنک دھا

(گھوڑا اور بیل مقابلے میں آتے ہیں)

گھوڑا ____ (گھوڑا کہے بیل سے)

میں ہُوں ایسا گھوڑا

مست ہو کے جب لہر ماں آؤں

جھنجھل اُٹھا کے پَیر اٹھاؤں

کئی کوس مِنٹوں ماں جاؤں

دے جواب او بیل تُو میری بات کا!

بیل ____ سانچے بچن بیل کہے سُن گھوڑے میری بات!

اونچی بولی بول کے کھول نہ اپنی ذات

میں ہُوں اپنی ماں کا نارا مالک میرا کسان

صحرا کا لقمان

کھڑی دوپہری ہل ماں جوتے پانے دے نہ گھاس

کُھنڈی آر سے پھوڑ کے کرے بدن کا ناس

ہاڑھی آر سے پھوڑ کیکرے بدن کا ناس

ہاڑھی ہو کہ ساوَنی سب کے کشت اٹھاؤں

پھر بھی اپنے کام سے! کبھی نہ آنکھ چراؤں

دے جواب تُو گھوڑے میری بات کا

گھوڑا ____ او ہریا کے نارے اپنی ذات پہچان!

مری ٹاپ سے تھر تھر کانپیں بڑے بڑے بلوان

کیا پنکھرو کیا حیوان

ماں پر پُوت پِتا پر گھوڑا

بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا

میں ہوں بلوچی گھوڑا!

میرے سُموں کی گھنی گرج سے پَھٹ جاوے دھرتی کی کھال!

بیل ــــــ دانت چُھپا کے بول ارے ارجل!
میں ہُوں نادیا بیل!!
میرے آگے سے ہٹ جاو بے پیروں کے پیر
ایسی ٹکّر پلٹ کے ماروں جان رہے نہ سر پر
سنگی ایسی گھما کے ماروں چھلنی ہو سُورج کا تھال
او خچّر کے لاڈے تُو کیا جانے میری چال!
چندر بنسی سُورج بنسی کا ہے مُجھ میں خُون

گھوڑا ــــــ ہٹ جاو ملعوم!

بیل ــــــ میری ماں کُل دھرتی کی ماں میں ناروں کا نارا
میں دَھرتی کا پیارا

گھوڑا ــــــ او بچھیا کے نارے اونچا بول نہ بول

بیل ــــــ او سوری کے جَو!

گھوڑا ــــــ ہوترا ہو جا بیل کا مُنہ!
میں ہُوں بلوچی گھوڑا

بیل ــــــ میں ہوں نادیا بیل!

(لڑائی شروع ہوتی ہے)

دَھنا دِھن دِھن
دَھنا دِھن دِھن
دِھنک دِھنک دِھن دِھن دھا
دِھنک دِھنک دِھن دِھن دھا
دھا ترکٹ دھا
دھا ترکٹ دھا
ترکٹ دھا
ترکٹ دھا
دھا ترکٹ

عبدل ____ (نندی کے کان میں چُپکے سے کہتا ہے)

ناچ کتھا دیکھو گی نندی!

سب اس شور میں کھوئے ہُوئے ہیں

میں چلتا ہُوں تم مرے پیچھے چلتی آؤ!

(ڈھول کی آواز تیز ہو جاتی ہے)

نندی ____ میرے بھیّا یہاں آ گئے تو........

عبدل ____ نہیں وہ ادھر کیا کرے گا!

(عبدل اور نندی ناچ کتھا میں آجاتے ہیں۔ان کے پیچھے پیچھے حسنی بھی آتا ہے)

کورس ____ پھر چیت کا میلہ آیا

من بھایا

ہو آیا

حسنی ____ (نندی کو کہتا ہے)

خلقت ناچے پی کے بھنگ

تم بھی ناچو میرے سنگ

نندی ____ نہیں میں نہ ناچوں گی!

عبدل ____ ناچو نندی! یہ میلہ ہر روز نہیں ہوتا ہے نندی!

نندی ____ نہیں میں نہ ناچوں گی عبدل!

نہیں میں نہ ناچوں گی!

بُندو ____ (حسنی کو کہتا ہے)

ناچ رہے بھیّن ناچ

اوشا کے سنگ ناچ

خُوب رہے گا اوشا اور حسنی کا جوڑا

اس میلن میں ناری کا کیا توڑا

(اوشا اور بندو حسنی کو مُسکرا کر دیکھنے ہیں)

حسنی ____ رادھے بن کیا ناچے کنّھیا منڈل بھینو اداس

سب نَر ناری میلن دیکھیں میں دیکھوں آکاس

اُوشا ــــــ میں تیری بانسری چھیڑ کے مَن کی جوت جگا

(بندو ساز چھیڑتا ہے اور حُسنی ناچنے لگتا ہے۔ ہرنوں کی ایک ڈار چوکڑیاں بھرتی ہُوئی قریب گزر جاتی ہے)

حسنی ــــــ بِینا باجے تنا نوم تنا نوم

جھانجھن بولے چھن

نا دِھن دِھن نا ڈھولک بولے نڈھر نڈھر بجے بین

بہت بڑی سرکار ہے تیری سیّد قطب الدّینؒ

بِینا باجے تنا نوم تنا نوم

جھانجھن بولے چھن

آئیوری سجنی چتین میلن

سمے دکھا دے میٹھے سپنن

توڑ تاڑ کے چھوٹے دَرپن

دُھومن شاہ کا ناؤں رٹے من

للت، پھیروں، شنکرا، ایمن

آئیوری سجنی چتین میلن

بِینا باجے تنا نوم تنا نوم

جھانجھن بولے چھن

کورس ــــــ پھر چیت کا میلہ آیا

مَن بھایا

ہو آیا

پھر چیت کا میلہ آیا

بندو ــــــ دیکھو جی جوڑا جوری

حسنی ــــــ اِک چودہ برس کی چھوری

سلے ہم سے چوری چوری

ہو گوری

کورس ____ پھر چیت کا میلہ آیا

مَن بھایا

ہو آیا

پھر چیت کا میلہ آیا

ایک نوجوان_ مرا نام منوہر لال

مری چاندی کی ٹکسال

کروں گا مالا مال

گو رُو گھنٹال

کورس ____ پھر چیت کا میلہ آیا

مَن بھایا

ہو آیا

پھر چیت کا میلہ آیا

اُوشا ____ بجے ڈھولک اور مردنگ

دو تارا اور مُنہ چنگ

تم گاؤ ہمارے سنگ

بہادر جنگ

کورس ____ پھر چیت کا میلہ آیا

مَن بھایا

ہو آیا

پھر چیت کا میلہ آیا

☆☆☆

چوتھا منظر

www.HallaGulla.com

(عبدل گاؤں کی لڑکیوں کو بڑھ کے ایک گھنے درخت کے پیچھے چُھپ کر دیکھا رہا ہے
اس کے خاکی گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ میں ہے)

مقام : سُورج پُور کے باہر میدان میں

کردار: نندی، یاسمینہ۔ زرینہ ۔ عبدل۔ اکبر

نندی ____ کنوئیں میں نہ جھانکو!
یہاں سانپ رہتے ہیں

یاسمینہ ____ تیرا تو سَر پھر ہے!

نندی ____ نہیں یاسمینہ یہ سب سے پُرانا کنواں ہے
یہاں اب کے ساون میں بھیّا نے دو سانپ مارے تھے
کم بخت پھنئیر تھے!

یاسمینہ ____ سانپ اور اس کنوئیں پر!

نندی ____ (جھنجھلا کر)
وہ کھیتوں میں کیا ہے؟
وہ گھوڑے پہ کون آ رہا ہے؟

یاسمینہ ____ ہو گا کوئی تمہیں کیا؟

نندی ____ چلو آؤ دیکھیں تو وہ کون ہے؟

یاسمینہ ____ حسنی ہے میں تو جانوں!

نندی ____ اری چُپ رہو! اس میں ہمّت ہے اتنی!

زرینہ ____ (گنگنانے لگتی ہے)

Virtual Home for Real People

بہتا ساگر چھوڑ کے کاہے لئیو بن باس

برھن بدری اُڑے اکیلی دُور بھئیو آکاس

ساجن بن جی نہ لگے برھن گاوے جوگ

نگری نگری پھرے اکیلی پتّھر ماریں لوگ

یاسمینہ ____ اچھا جی اب میں سمجھی!

تُو بھی جلی ہُوئی ہے!

نندی _____ بڑی پارسا ہے نا تُو!

جانتی ہُوں!

بتا کون تھا وہ جو میلے میں سُکھ پال لایا تھا؟

اب بولتی کیوں نہیں؟

کیسی چُپکی کھڑی ہے؟

(یاسمینہ، نندی اور زرینہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مُسکراتی ہیں اور گانے لگتی ہیں)

یاسمینہ ____ ماں ری ماں میں چودہ برس کی

(سب مِل کر) سولہ برس کا تھا ____ چھورا رانگڑ کا

سولہ برس کا تھا_____ چھورا رانگڑ کا

مجھے بلاوے تھا_____ چھورا رانگڑ کا

وقفہ

(عبدل، گھوڑے پر سوار ہو کر سامنے آتا ہے۔ زرینہ اور یاسمینہ ڈر کر ایک طرف ہو جاتی ہیں اور نندی اکیلی رہ جاتی ہے)

عبدل ____ آؤ میں تم کو گھر چھوڑ آؤں

دیکھو! سُورج کتنا نیچے اُتر گیا ہے؟

نندی _____ (ذرا گھبرا کر)

نہیں جی! چلے جاؤ!

عبدل _____ ٹھہرو نندی!

نندی _____ امّی کہتی تھیں غیر آدمی سے نہیں بات کرتے!

عبدل ـــــــ وہ دِن یاد ہیں!

اِسی کنوئیں پر سانجھ سویرے کھیلنے آتے!

وہ اِملی کا درخت ابھی تک اسی طرح خاموش کھڑا ہے!

آؤ کٹارے توڑیں!!

میں اِملی پہ چڑھ جاتا ہوں

تم پلاّ پھیلاؤ!

وہ دیکھو! وہ ریت پہ بُڑھیاں دوڑ رہی ہیں!

آؤ اُن کے پیچھے بھاگیں!

اُس نے پھر کشتی کے لنگر کھول دیے ہیں۔

کشتی چلنے لگی ہے!

پانی کی آواز سُنی ہے تم نے

(عبدل سامنے ایک کیکر کے درخت پہ گڑسل کو کنکر مار کر اُڑا دیتا ہے)

نندی ـــــــ (انگلی میں انگوٹھی کو پھرانے لگتی ہے)

شام کی خامشی میں درختوں پہ کنکر نہیں مارتے

شام کو پیڑ آرام کرتے ہین عبدل!

یہ رونے کی آواز کس کی ہے؟

عبدل ـــــــ چرواہی بھیڑوں کو ہانک رہی ہے!

نندی ـــــــ (گھبرا کر) نہیں یہ تو اُلّو کی آواز ہے

جھاڑیوں میں کہیں کوئی چُوہا چُھپا ہے!

(زمین کی طرف دیکھ کر چونک پڑتی ہے)

ارے میں تو ڈر ہی گئی تھی!

یہ گھوڑے کا سُم ہے!

یہ اتنا بڑا قافلہ کس طرف جا رہا ہے!

عبدل ـــــــ بے چارے اوڈ ہیں، خانہ بدوش ہیں

نگری نگری آوارہ پھرتے رہتے ہیں

مینہ بُندی ہو، آندھی ہو، چمکیلا دن ہو کالی رات ہو

رستے ہی میں پڑے رہتے ہیں

آدمی دن بھر مزدوری کرتے رہتے ہیں

عورتیں اپنے بچوں کو گودی میں لے کر

گھاس پُھوس اور ڈھیکر چنتی رہتی ہیں

اُونٹوں اور بھیڑوں کے دُودھ کو شہر میں جا کر بیچتی ہیں

نندی ____ میں کہتی ہُوں کوئی یہاں آ گیا تو!!

عبدل ____ (خانہ بدوشوں کے قافلے کی طرف دیکھتے ہُوئے)

یہ دھرتی اب سارے بندھن توڑ چکی ہے

اب یہ قبیلہ جاگ رہا ہے

بھیڑوں کو للکار رہا ہے

یا یہ بھیڑیں دُودھ نہ دیں گی

یا پھر ان کے تھن پر تھیلی چڑھ نہ سکے گی

وہ دیکھو! وہ رنگ برنگے ذرّے

بُھورے بُھورے نیلے نیلے پتّھر

ریت کے تارے آگ کی ہولی کھیل رہے ہیں

پیلی کرنیں کیکر کی سیڑھی سے اُتر رہی ہیں

کانے ناگ سنہری جیب نکالے

گل کُنجوں میں ناچ رہے ہیں

نندی ____ ہوا کتنی خاموش ہے!

فاختہ ریت کے نرم بستر پہ چُپ چاپ بیٹھی ہے

ندی ہے ندی کا پانی ہے، پانی کی آواز ہے

فاختہ بہتے پانی کے شیشے میں اپنے ہی رُوپ کو تکتی ہے

لہریں اُچھلتی ہیں نیچے دیکھو

عبدل ____ اس کے ننّھے پنجے دیکھو

ریشم کے لچّھوں کی طرح باریک ملائم
اُس کے پر اور اس کی چونچ کو غور سے دیکھو
جب یہ اپنی چونچ کو ریت پہ گھستی ہے
تو سارا جنگل گاتا ہے......
تم کیا سوچ رہی ہو؟

نندی ____ نہیں کچھ نہیں باؤلی ہوگئی ہوں!

عبدل ____ سوچ رہا ہوں ہم یوں کب تک
ہم یُوں کب تک...... تم ہی سوچو!..... ہم یوں کب تک

نندی ____ چلو اب یہاں سے چلیں!

عبدل ____ فاختہ اُڑ کر ڈال پہ جا بیٹھی ہے
وہ دیکھو پھر نیچے اُتر گئی ہے!
اس کی چونچ میں کیا ہے؟

نندی ____ وہ سرسوں کی پھلچی ہے!

عبدل ____ نیل کنٹھ کا پَر ہے شاید!

نندی ____ یہ اُڑتی نہیں ____ آؤ اس کو اُڑائیں!

عبدل ____ وہ دِن یاد ہیں!
مکتب سے جب چُھٹی ملتی
ہم سب لڑکے چھوٹے چھوٹے کنکر چُنتے
فاختہ جونہی سامنے آتی
سب ہمجول اپنی اپنی غلیل چلاتے

نندی ____ (گھبرا کر) امّی کہتی تھیں یہ اِک مقدس پرندہ ہے
اس کو نہیں مارتے!
ایک دن میرے بھیّا کو امّی نے مارا تھا
وہ فاختہ مار لایا تھا

.. ..

ارے! وہ سُنا تم نے!

عبدل ____ (حیرت سے) کیا ہے نندی؟ کیا ہے؟

نندی ____ ریل گاڑی ہے!

دیکھو وہ کیا شے جھلک مارتی ہے!

وہ گھوڑے پہ کون آرہا ہے؟

عبدل ____ اکبر! اکبر اپنا دوست ہے نندی!

(اکبر ان دونوں کے قریب آ کر گھوڑا روک لیتا ہے)

اکبر ____ سلام بھیّا! مزے میں ہو، خُوب کٹ رہی ہے!

مِلو گے ڈیرے میں!

رات کو تم ضرور آنا!

(اکبر چلنے لگتا ہے)

عبدل ____ اکبر بھیّا! ٹھرو اکبر! بات تو سُنتے جاؤ۔

حسنی کہیں ملے تو کہنا رات کو ڈیرے میں آ جائے!

اکبر ____ میں گنج گھر جا رہا ہوں عبدل

تمہارا پیغام بھیج دُوں گا!

بڑی اندھیری ہے آج کی شام

آندھی آئے گی!

(اکبر گھوڑے کو ایڑ لگا کر ہوا ہو جاتا ہے)

عبدل ____ اکبر بھی کیا سوچتا ہو گا؟

حسنی نے بھی کئی دِنوں سے مِلنا چھوڑ دیا ہے

نندی ____ اُدھر گرد سی اُڑ رہی ہے!

عبدل ____ ریت اُڑی ہے کچھ بھی نہیں ہے

نندی ____ نہیں وہ ادھر آ رہے ہیں!

چلو اس ہنی کے درختوں میں چُھپ جائیں!

رات ہو گئی ہے!

عبدل_____ ڈرو نہیں میں ساتھ ہُوں نندی!

اُس تالاب کے پیپل کے نزدیک نہ جانا!

ٹھرو نندی میں بھی آیا!!

☆☆☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

پانچواں منظر

www.HallaGulla.com

(اندھیرے جنگل میں عبدل، نندی کو ڈھونڈتا ہے لیکن نندی کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ عبدل تھک ہار کر ایک گھنے درخت کے تنے کے سہارے حیران کھڑا ہو جاتا ہے۔ خاصی رات ہو گئی ہے۔ وہ نندی کے خیال میں کھو جاتا ہے۔)

عبدل ___ ٹھہرو نندی!
ٹھہرو نندی کہاں چلی ہو؟
رستہ بُھول نہ جانا!

نندی ___ کنویں میں نہ جھانکو!

عبدل ___ وہ دیکھو وہ ریت پہ بُڑھیاں دوڑ رہی ہیں!

اکبر ___ میں کنج گھر جا رہا ہوں عبدل!
تمہارا پیغام بھیج دُوں گا
بڑی اندھیری ہے آج کی شام
آندھی آئے گی!

نندی ___ ادھر گرد سی اُڑ رہی ہے
چلو اس بنی کے درختوں میں چُھپ جائیں
رات ہو گئی ہے

(اتنے میں لوگوں کا شور سُنائی دیتا ہے اور وہ جنگل کو آگ لگا دیتے ہیں)

عبدل ___ کم بختوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے
کیسے بھاگوں؟

Virtual Home for Real People

آگ__ آگ__ آگ

چاروں جانب آگ کا دریا

کہاں ہو نندی؟

بولو نندی کہاں چُھپی ہو!

باہر جاؤ!

لیکن نندی!

نندی مر جائے گی عبدل!

ایک آواز___ اُلٹے پاؤں پلٹ جا عبدل!

نندی اب نہ ملے گی

اس کی قسمت میں جلنا ہے

اُلٹے پاؤں پلٹ جا!

عبدل____ لیکن نندی! اُسے اکیلا چھوڑ کے جاؤں!

نہیں نہیں! میں جَل جاؤں گا!

جل جاؤں گا!

جل جاؤں گا!

آواز____ آگ کسی کی مِیت نہیں ہے

اپنی جان بچا لے عبدل!

نندی اب نہ مِلے گی

اندھی آگ کا رستہ چھوڑ کے راتوں رات نکل جا پیارے

وہ رستہ ہے!

اب آواز نہ دینا عبدل!

نندی اب آواز نہ دے گی!

وہ رستہ ہے!

اِس رستے میں دریا کے اُس پار اُتر جا!

آگ کے مُنہ پہ آنکھیں نہیں ہیں

آگ ہے اندھی

آگ ہے بہری!

اپنی جان بچالے عبدل

وہ رستہ ہے!!

☆☆☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

چھٹا منظر

www.HallaGulla.com

(آدھی رات گُزر چکی ہے۔ جنگل کی آگ کے شعلے ابھی تک بھڑک رہے ہیں۔ گاؤں بھر میں شور برپا ہے۔ عبدل ویران رستوں میں گرتا پڑتا، چُھپتا چُھپاتا گھر آتا ہے اور طویلے میں سے اپنے باپ کے کمرے میں جھانکتا ہے۔ عبدل کے ماں باپ آپس میں گفتگو کر رہے ہیں)

کردار

نصیبن ــ عبدل کی ماں : عمر ۵۰ سال

حشمت ــ عبدل کا باپ : عمر ۷۰ سال

(عبدل کھڑکی میں سے سب ماجرا دیکھ رہا ہے)

حشمت ــــ تو کیا یہ بے ہُوئی ہے؟
گاؤں والے باؤلے ہیں؟

نصیبن ــــ ان حویلی والوں کے کیڑے پڑیں
ہفت رنگن نے مرے لونڈے کو پاگل کر دیا

Virtual Home for Real People

حشمت ــــ غضب ہے، قہر ہے جی!
اس بڑھاپے میں یہ دن بھی دیکھنا تھا
میں تو اس جینے سے بھر پایا ہُوں یا رب
تُو اٹھا لے اب مجھے جلدی اُٹھا لے
اِس بڑھاپے میں یہ صدمہ کوئی دشمن بھی نہ دیکھے

نصیبن ــــ میرے اللہ لُٹ گئی میں
پُوت کاہے کو جنا تھا سانپ تھا

تم کو اِس دِن کے لیے پالا تھا عبدل!
وہ بیٹا! تم نے اپنے خانداں کا نام روشن کر دیا
باپ دادا کے زمانے کا یہ جنگل ایک دم میں پھونک ڈالا

حشمت ___ کبھی ہم پر بھی آئی تھی جوانی؟

نصیبن ___ نہ ہوا اِس وقت میری ماں کا جایا
دیکھ لیتی اِن زمینداروں کا مان!
میرے بیٹے کو اگر کچھ ہو گیا تو خون پی لوں گی اِن کے!

حشمت ___ اجی بس چُپ رہو تو!
تم نہ بولو!
تمہارے پیار نے کھویا ہے اس کو

نصیبن ___ کوئی اس دِیدے پھٹی کو پُوچھنے والا نہیں!
کیوں گئی تھی وہ ہکارا؟
وہ کنوئیں پر کیوں گئی تھی؟
(عبدل سب باتیں سُن رہا ہے۔ کبھی وہ بُوڑھے ماں باپ کی طرف دیکھتا ہے
اور کبھی بدنامی کا ڈر اسے ستاتا ہے۔ نندی کے بعد وہ اب گاؤں میں ٹھہرنا نہیں چاہتا)

آواز ___ وہ رستہ ہے!
راتوں رات نکل جا عبدل!

عبدل ___ لیکن یہ میرا گھر!
یہ میرے ماں باپ!
کہاں جاؤں گا!
نندی! میرے ارمانوں کا آخری سنگم!

آواز ___ اب اس پیڑ سے اُڑ جا
اس کی جڑیں اب سُوکھ چکی ہیں
اس کے پھل کو اندر سے کیڑوں نے چاٹ لیا ہے
ہوا چلے یا پانی برسے

اب اس پھل میں رس نہ پڑے گا
چاند کی کرنیں دستک دے کر
اُلٹے پاؤں پلٹ جائیں گی
چھلکا پیلا پڑ جائے گا
اب اس پیڑ سے اُڑ جا
دُور کسی جنگل میں ڈال بسیرا
کڑوے نیم کی ٹہنی چُن لے

☆☆☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

ساتواں منظر

(سُورج ڈوب رہا ہے۔ گاڑی پُوری رفتار سے چل رہی ہے۔ عبدل کھڑکی کی طرف بیٹھا سوچ رہا ہے۔ گاڑی کبھی کبھی سُرنگ میں سے یا کسی پُل پر سے گزرتی ہے تو وہ چونک پڑتا ہے۔ احمد اور فیاض دوسری طرف باتیں کر رہے ہیں۔)

کردار

عبدل۔ احمد : فیاض

عبدل____ (کھڑکی کے باہر چیزوں کو دیکھ کر سوچتا ہے)

رنگ برنگے ذرے بُھورے بُھورے پتھر
پیلی کرنیں کیکر کی سیڑھی سے اُتر رہی ہیں
کالے ناگ سنہری جیب نکالے!......

.. ..

خشک پہاڑوں کی چوٹی پر
آڑی ترچھی کالی زرد لکیریں!......
پتّھر کے سینے سے چشمے پُھوٹ رہے ہیں
کہیں کہیں ہریالی بھی ہے
بُھو گائیں.....ان کے تھنوں میں دُودھ نہیں ہے
وہ کیا چیز ہے!!
وہی درا ہے
سانجھ سے پہلے اس پر تالے پڑ جاتے ہیں
کون اب اس کی مہریں توڑے!

.. ..

یہ دھرتی اب سارے بندھن توڑ چکی ہے

ایک قبیلہ جاگ رہا ہے

بھیڑوں کو للکار رہا ہے

ایک کرن پھر وقت کی سیڑھی سے اُتری ہے

لیکن میں تو ــــ اس دھرتی میں میرا کوئی نہیں ہے

سات برس کے بعد یہاں سے پھر گزرا ہُوں

وہی پہاڑ اور وہی نظارے

اس وادی میں کیسے اُتروں؛

اس دھرتی سے میرا ناطہ ٹوٹ چکا ہے

اپنے وقت کا اک اک ساتھی چھوٹ چکا ہے

.. ..

احمد ــــ (فیاض سے)

وہ کھڑکی کا شیشہ اُٹھا دو

مرے بھائی باہر ہوا چل رہی ہے

فیاض ــــ ذرا گلاس تو بھرنا بھائی!

پیاس لگی ہے ــــ سارا دن میں کتنے گلاس انڈیل چکا ہوں

یہ شیشے کی صراحی تم نے کہاں سے لی ہے؟

یہ مال تو باہر کا لگتا ہے مجھ کو

احمد ــــ یہ سب اپنے ہی کنج گھر میں بنی ہیں

کبھی آپ آئیں تو باہر کی صنعت گری بھول جائیں

فیاض ــــ پانی تو خاصا ٹھنڈا ہے!

آپ پئیں گے؟

احمد ــــ بہت پی چکا ہوں!

میں گرمی میں پانی ذرا کم ہی پیتا ہُوں

فیاض____ وہ دیکھو کھڑکی سے باہر

نُقرے پر اک لڑکا سرپٹ دوڑ رہا ہے!

احمد____ چال تو خُوب چلتا ہے

لیکن سوار اس کا بالکل اناڑی ہی لگتا ہے

فیاض____ ہاں کچھ ایسا ہی قصّہ ہے

گھوڑ سواری کھیل نہیں ہے

اپنے پاس بھی دو گھوڑے ہیں

میں نے انہیں بچوں کی طرح سے پالا ہے......

احمد____ مرے پاس بھی ایک چینا ہے

اس میں بڑا دم ہے بھائی

بڑا ہی مُبارک ہے یہ چینا گھوڑا

مرے پاس جس دن سے ہے یُوں سمجھ لو کہ بس لکشمی آ گئی

فیاض____ یہ بھی وہم ہے

اگلے وقتوں کے لوگوں کی خوش فہمی ہے

احمد____ پُرانی حویلی کے گھوڑے____ مگر وہ تو اُجڑی پڑی ہے

فیاض____ حشمت کا ڈیرہ بھی اب سنسان پڑا ہے

احمد____ بعض گھوڑا تو سچ مچ ہی منحوس ہوتا ہے

فیاض____ ہم نے پسنی ساری عمر میں رنگ رنگ کے گھوڑے پالے

چمبا، نقرا، خاکی، چینا، کالا اور کمیت

گھوڑا تو بس قسمت والے کو مِلتا ہے

اس کے کانوں سے جنّت کی ہوا آتی ہے

اس کی ٹاپ سے دھرتی کا دِل کانپ اُٹھتا ہے

احمد____ مگر کالے گھوڑے کی کیا بات ہے!

تم نے دیکھا ہے شاید وہ گھوڑا

وہی کالا گھوڑا!

وہ گھوڑا نہیں آدمی ہے!

فیاض ـــــ اس خطّے کا کون سا گھوڑا مُجھسے چُھپا ہُوا ہے
اس میں کوئی گُن ہوتا تو میں کب چھوڑنے والا تھا
جی وہ تو فوج کا کنڈم مال ہے
دیکھنے میں تصویر ہے لیکن ناکارہ ہے
وہ گھوڑا تو بڑا خونخوار ہے!

احمد ـــــ تمھیں یاد ہوگا کہ گھوڑوں کے میلے میں پچھلے برس
گاؤں کے چودھری جی نے للکار کے شرط باندھی
کہ اس کالے گھوڑے پہ جو بھی سواری کرے گا
یہ گھوڑا اسی کو ملے گا
تمھیں یاد ہے نا! کہ اکبر سے پتلے چھریرے بدن
کا جواں اس کو اِک آن میں لے اُڑا تھا
ارے یہ پنہ گیر لڑکا تو آفت کا پُتلا ہے
دیکھو تو بھولا سا معصوم سا ہے
مگر وہ گُنی ہے!

فیاض ـــــ گُنی دُنی تو کیا ہے بس قسمت کا دَھنی ہے

احمد ـــــ اب تو اکبر نے مونا سے شادی بھی کرلی ہے
اچھے گھرانے کی لڑکی ہے!

فیاض ـــــ لیکن اس میں ایک ہی کھوٹ ہے
نئے زمانے کی لڑکی ہے
کالج تک تو ٹھیک ہے لیکن
وہ تو کُھلے بندوں بے پردہ پھرتی ہے
یہ سب باتیں اپنے کو تو کھلتی ہیں
میاں ہم تو پُرانے لوگ ہیں

احمد ـــــ اجی اب تو نقشہ ہی کچھ اور ہے

وہ زمانہ گیا یہ نئی روشنی ہے

وہ نندی بھی تھی! آگ میں جل بُجھی

فیاض ____ وہ بے چاری زندہ رہ کر بھی کیا کرتی!

اس کی قسمت میں جل مرنا ہی لکھا تھا

احمد ____ تو وہ آگ کس نے لگائی تھی؟

عبدل نے! ___ نندی کے بھائی نے! ____ حسنی نے!

فیاض ____ میاں جتنے مُنہ اتنی ہی باتیں

سُنا یہی ہے!

اللہ جانے تہہ میں کیا ہے؟

احمد ____ یہ سارے زمیندار ایسے ہی ہیں

لوگ کہتے ہیں جنگل انہوں نے جلایا

مگر گاؤں والوں کو نندی کے بھائی پہ شک ہے

بھلا آپ اس وقت کہاں تھے

فیاض ____ میں اس روز وہیں تھا

اپنے گاؤں میں تھا، بس کھانا کھانے ہی بیٹھا تھا

اتنے میں اک شور سا اُٹھا

میں سمجھا کہ ساتھ کے گاؤں نے ہلّہ بول دیا ہے

ننگے بدن گھوڑے پہ الانا چڑھ کے نکلا

اِس سے پُوچھا اُس سے پُوچھا

کالی رات اور تیز ہوا تھی

تین کوس سے آگ کی لاٹیں چمک رہی تھیں

ڈیرے والے بھرے طمنچے اور بندوقیں لے کر نکلے

گھوڑے سوار مشالیں لے کر بھاگ رہے تھے

احمد ____ تعجّب ہے عبدل کہاں تھا؟

وہ نندی تو جل ہی گئی تھی!

تمہیں تو خبر ہے!

فیاض ــــــــ آگ کے بہتے دریاؤں میں
اس کی چیخیں، ہم نے سُنی ہیں
ہم نے لاکھ پکارا
آوازیں دیں
لیکن کوئی نہ بولا!

احمد ــــــــ میں نے وہ رات دیکھی ہے جب آسماں سُرخ تھا!

☆☆☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

آٹھواں منظر

(مرچوں کے کھیت میں حسنی، بندو اور احمد رہٹ کے مُڈھ پر
بیٹھے حقّہ پی رہے ہیں۔ شام ہو رہی ہے۔ رہٹ چل رہا ہے)

کردار

حسنی: بندو۔ احمد۔
اکبر۔ کچھ دیہاتی۔ بلّھا

(رہٹ کی آواز:۔

چین مچینا، چین مچینا، چین مچینا کھیت
چین مچینا، چین مچینا، چین مچینا کھیت
بارہ ٹال ہیٹھ
بارہ گئے پردیس ماں بارہ پھیر بھی آویں گے
چین مچینا، چین مچینا، چین مچینا کھیت
بارہ ٹالی ہیٹھ
بارہ ٹالی ہیٹھ

(حسنی رہٹ کے مُڈھ پر بیٹھا طنبورہ بجا رہا ہے۔ بندو اور احمد حقّہ پی رہے ہیں۔
الاؤ کی آگ بھڑک رہی ہے۔)

حسنی ____ سانجھ بھئے اک ڈھیر پہ اندھا سادھو روئے
ہم نے نگری چھوڑ دی، ہمیں نہ چھیڑے کوئے

بندو ____ سادھو بی اب اُٹھ بھی جاؤ تار طنبورہ چھوڑ

برس رہی اسمان سے کالک تابڑتوڑ

حسنی ـــــــ پچھّم دیس کے نیل ماں ڈوبن لاگا بھان

اس کی ریکھا دیکھ کے ڈول گئی مری جان

سانجھ اُڑا کے لے گئی سُورج پُور کا رُوپ

کیا جانے کس دیس میں اُترے گی یہ دُھوپ

بندو ـــــــ دُھپ گئی پردیس ماں کلّی رہ گئی چھاؤں

مرگھٹ دیکھے گاؤں لے تُو رب کا ناؤں

حسنی ـــــــ سُدھ بُدھ ہے مُجھے دُھوپ کی نا میں جانوں چھاؤں

نا مرا ٹھور ٹھکانا کوئی نا مرا کوئی گاؤں

بندو ـــــــ ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پہ چلنے لاگے پاؤں

کالی رینا سر پہ کھڑی، چلو چلیں اب گاؤں

احمد ـــــــ نہیں بندو بھیّا طنبورہ تو سُن لیں!

بھلا ساز سنگیت کو چھوڑ کر کون جائے!

کبھی نہ کبھی آج فرصت ملی ہے

ارے اور کچھ دیر بیٹھو

ذرا سُر کی دیوی کے جی بھر کے درشن تو کرلیں

یہ دُنیا کے دھندے تو چلتے رہیں گے

حسنی ـــــــ رُت بدلی، آندھی چلی، سوکھن لاگے پات

رنگ برنگی ڈالیاں روویں مل مل ہات

بندو ـــــــ ہائے رے مار دیا، کھوئے دیا ہم نُوں

تُو پکّا گُن کار بھیّا!

احمد ـــــــ بھائی جادو وہی ہے جو سر چڑھ کے بولے

ارے یہ کوی راج ہیں!

اِن کے گیتوں میں سنسار سنگیت ہے

پھر کہونا! وہ کیا بول تھے؟

دھیان کس اور پلٹا؟

وہ لوگ اور وہ نقشے جنہیں بُھول بیٹھے تھے ہم

آج پھر اس کی مٹی کی خوشبو لَویں دے اُٹھی ہے

وہ قصبے وہ گلیاں وہ رستے وہ گھر

جو کُھلے چھوڑ آئے تھے ہم

آج پھر ذہن میں پھر رہے ہیں

سناتے رہو بھائی!

ہم آج ڈیرے نہ جائیں گے!

حسنی ____ ایک کونج میں ایسی دیکھی اڑے چھوڑ کے ڈار

سانجھ بھئے جس دیس میں اُترے وہاں نہ ہوا جیار

(حسنی طنبورہ بجا رہا ہے کہ اکبر گھوڑے پر آتا دکھائی دیتا ہے۔ اکبر گھوڑے سے اُتر جاتا ہے)

اکبر ____ سلام کرتا ہُوں!

ہیں یہ کیا ہو گیا ہے تُجھ کو؟

میں صُبح سے تجھ کو ڈھونڈتا پھر رہا ہُوں پیارے!

وہ کنج گھر تیری جان کو رو رہا ہے حسنی!

اُدھر وہ عبدل ہے جانے کس روگ میں پھنسا ہے؟

یہ کام کیسے چلے گا پیارے؟

بندو ____ اکبر بھیّا! عبدل کی کچھ خیر خبر ہے؟

اکبر ____ بڑے مزے میں ہے شاہ زادہ!

ابھی ملا تھا

ارے وہ کیا ہے

وہ دیکھو! آکاش پر وہ کیا ہے؟

حسنی ____ آگے پیچھے بھاگتے تارے!

بندو ____ ایک دو تین، اور چار پانچ!

حسنی ــــــ وہ چھ! اور وہ سات!!

رنگ برنگے گر بڑے آگ کے پنکھ لگائے

گھُپ اندھیری سانجھ مان کس نے یہاں اُڑائے؟

اکبر ــــــ نہ جانے کس دیس سے اُڑے ہیں؟

نہ جانے کس دیس میں گریں گے؟

حسنی ــــــ جانے کسی کا بیاہ رچا ہے اتنے چوکھے رنگ

بُرج چڑھے آکاش پر ارمانوں کے سنگ

ایسے رنگ گلال میں، کیا اپنا من کھوئے

جانے اس کی اوٹ میں کوئی جلتا ہوئے؟

بندو ــــــ کیسے بول بچارو حسنی دیکھ کے پیار کا جُھمکا؟

کیا کہنا ہے تم کا؟

حسنی ــــــ ڈھور ہنکاتے پھیر ماں کیسی کرے بچار؟

بندو تو ہے جما گنوار و تو کیا جانے پیار؟

(دُور سے کنج گھر کے سائرن کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ سنّاٹا اور پھیل جاتا ہے۔ کنج گھر کے مزدور اور کاری گر دُور سے ایک رستے پر تیزی سے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں)

اکبر ــــــ سناؤ کیا حال ہے مرے دوستو تمہارا؟

بندو ــــــ اتنے دنوں ماں سکل دکھائی

اچھے تو ہر میرے بھائی؟

اکبر ــــــ خدا کے فضل و کرم سے اچھی گزر رہی ہے!

سناؤ احمد تمہارا کیا حال ہے

کہو کیسی کٹ رہی ہے؟

احمد ــــــ عنایت ہے بس آ چکی!

آؤ کچھ دیر بیٹھو! یہ حقّہ! ابھی بھر کے رکھا ہے

حقّہ تو پیتے ہو تم بھی!

ارے آج حسنی نے وہ رنگ باندھا کہ بس!

یار اس کے گلے میں قیامت کی مُرکی ہے

گھنگرو کا کھٹکا ہے!

ظالم نے کوئل کی آواز پائی ہے

اکبر ــــــ (کھیتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے)

نہ جانے یہ جنگلی کبوتر کہاں سے اُترے ہیں اُجڑے بن میں؟

کبوتروں کی یکہ ٹکڑیاں ہیں کہ ٹڈی دل ہے!

بڑا اندھیرا ہے بھائی احمد!

کہاں چلے ہو؟

احمد ــــــ ذرا وہ کبوتر گرا لاؤں!

بس پل جھپکنے میں آجاؤں گا!

اکبر ــــــ خدا کو مانو!!

یہ شام کے وقت ان پرندوں کو کیوں ستاتے ہو!

جانے دو! غیر وقت ہے!!

بندو ــــــ بڑا ہی بھولا پنچھی ہے یہ، سیّد اس کی ذات

بھرے سمے مت مارو اس کو مانو میری بات!

حسنی تم کوئی گیت سناؤ!

بابو جی کا جی بہلاؤ!

اکبر ــــــ (حسنی کی طرف دیکھ کر طنز سے کہتا ہے)

بڑے مزے میں ہو آج حسنی!

بندو ــــــ کنج گھر ماں چُھٹی ہوگئی گھگو شور مچائے

اپنے اپنے ٹھار کو، خلقت دوڑی جائے

گھراں کو بھاگے چودھری، ٹھاکر اور جہان

ہری بھری نگر پیلیاں، چھوڑ گئے کرسان

ممٹی سے جل جوگنی، اُڑ گئی چھوڑ کے ماس

پگلی بل بتوریاں، بولیں مڑھی کے پاس

اکبر______ ارے او بندو! ذرا اِدھر چھیٹیاں تو لانا!

الاؤ ٹھنڈا پڑا ہے بھائی!

یہ کیا خبر تھی کہ اس اندھیرے میں دوستوں کی سبھا جمے گی

نہیں تو کمبل ہی لیتے آتے

بندو______ کمبل کو نہیں جانتے، گاؤں کے سیدھے لوگ

ہم تو نرے گنوار ہیں، تم ہو سہری لوگ

اکبر______ بھلا کبھی تم نے شہر دیکھا ہے؟

جانتے ہو کہ شہر کیا ہے؟

کبھی جو سپنے میں دیکھ پاؤ تو گاؤں کی ناریوں کو بھولو!

احمد______ میاں باؤلے ہو کے روتے پھرو گے!

ارے شہر کی ناریوں سے خدا ہی بچائے!!

ذرا آگ کے پاس آ جاؤ خنکی اُترنے لگی ہے!

سُنا تُم نے حسنی!! یہ آواز کس کی ہے؟

(بندُو سہم جاتا ہے)

بندو______ یہ بولے جس گاؤں ماں پھر نہ بسے وہ گاؤں

یارو اب نہیں بولنا، یہاں کسی کا ناؤں

احمد______ میاں تم تو وہمی ہو بندو!

بندو______ تم نے پھر مرناؤں لیا!

میں کہتا ہوں ناؤں نہ بولو!

حسنی______ چڑیاں ترسیں گھونٹ کو دھرتی دُھول اُڑائے

تم رہو اس دیس میں ہم سے رہا نہ جائے

آواز______ بندو______ ہو______ بندو

بندو______ ہوت______ چاچا______ ہوت______ کیا بات ہے؟

چکّی کی آواز___ ٹُک چُھک ٹُک چُھک ٹُک چُھک

ٹُک چُھک ٹُک چُھک ٹُک چُھک

احمد____ یہ آٹے کی چکّی ابھی تک یونہی چل رہی ہے!

یہ چکّی میں کیا پِس رہا ہے؟

___ مگر گاؤں بھر میں دہائی مچی ہے کہ آٹا نہیں

کال ہے، لوگ مر جائیں گے

لوگ بُھوکوں مرے جا رہے ہیں!

بندو ____ ندیاں سُوکھیں کال ماں، ٹِڈی کھا گئی دھان

پیٹ پُجاری شہر کو بھاگنے، بُھوکوں مریں کسان

احمد____ چلو! شہر میں چل کے ڈیرہ لگائیں!

مگر بھائی! ہم تو پنہ گیر ہیں

شہر میں کیا کریں گے؟

وہاں ان دنوں کام مِلنا بھی مشکل ہے

اپنا کوئی یار ڈپٹی کلکٹر ہی ہوتا

نہیں یار! اب تو یہیں مَر رہیں گے

اسی گاؤں میں گھر بنائیں گے

اب تو یہ تھل بسائیں گے

بندو____ سہر مرے کیا پھونکنا، دیکھے سہر کے لوگ

گیا تھا کنگو بیچنے، لے آیا کیا روگ؟

احمد____ یہ سب نفع خوروں کی سازش ہے

غلّے کا توڑا نہیں!

اپنے کھیتوں کو دکھو!

ذرا اپنی فصلوں کو دیکھو!

ہری ہیں، بھری ہیں!

مگر یہ زمیندار، یا کالی منڈی کے تاجر!

اکبر____ یہ دُکھ بھری رات کیسی کالی ہے؟

آج تاروں کی سَمسَرن کو جگاؤ حسنی!

اداس تاروں کی سَمسَرن کو جگاؤ حسنی!

گئے سمے کو بلاؤ حسنی!

سُناؤ حسنی!

(حسنی طنبورہ چھیڑتا ہے، بندو حقّے کے نیچے کو پکڑ کر اپنی چاندی کی انگوٹھی سے حقّے کا پیوندا بجاتا ہے)

حسنی ــــــ بینا باجے۔تنا نوم تنا نوم

جھانجن بولے چھَن

تُو چپکے چپکے آ گوری!

اس گھور اندھیری رین ماں

جوں کجرا ناچے نین ماں

تُو چپکے چپکے آ گوری!

(بندو چونک کر کھڑا ہو جاتا ہے)

بندو ــــــ دیکھ تو حسنی!

یو کیسی پگھم پکّھی!

(بارہ سوار سامنے سے گرد اُڑاتے ہُوئے آتے ہیں۔اندھیرے میں ان کی سفید پگڑیاں اور گھوڑیوں کی آنکھیں چمکتی ہُوئی نظر آتی ہین۔اگلے دو سواروں نے اپنے ہاتھوں میں جلتی ہُوئی مشالیں اُٹھائی ہُوئی ہیں۔)

بلّھا ــــــ دوڑیو رے! دوڑیو!

دوڑیو رے! ـــــ

(گھوڑے سوار لاؤ کے قریب آ جاتے ہیں)

دوسری آواز ــــ کون ہے یو اس اندھیری رات ماں۔ہو

پو! لاؤ کن نے جالا؟

لائیو رے میرا بھالا؟

تیسری آواز ــــ ہوت پخنیے! کون ہے گا تو؟

چوتھی آواز ــــ بلّے پیرا گھوڑی موڑ لے!

آندھی چلنے لاگی!

بندو_____ کون ہے بھائیا؟ کیا بات ہوگئی؟

چوتھی آواز____ ہو! وا عبدل تھا نا بندو!

بیّر کاڈ کے لے گیا سالا!

ہوا کی مافک چل دو یارو

پھیر وا ہتھ نہ آیا

(گھوڑے سوار آن کی آن میں ہَوا ہو جاتے ہیں۔ آندھی تیز ہوگئی ہے۔

اکبر احمد، حسنی اور بندو کو جیسے سانپ سُونگھ گیا ہے۔)

بندو_____ حُسنی بھیّا یو ہے پریم کا سودا

مرے یار کی ساری جِندگی برباد

حسنی_____ تم ٹھرو اسی باٹ پہ، ہم چلے پی کے دوار

احمد تو مرے ساتھ چل کہیں کھو نہ جاوے یار

احمد_____ مگر میں تو عبدل سے واقف نہیں

اس کی صورت بھی دیکھی نہیں آج تک!

خیر! تیری خوشی ہے تو چلتے ہیں

یارو یہیں راستہ دیکھنا ہم ابھی آئے!

(ٹاپوں کی آواز)

اکبر____ بڑی حماقت ہے!

اس اندھیرے میں کس کو ڈھونڈو گے میرے بھائی!

مُجھے تو ڈر ہے کہ آج عبدل پہ کوئی آفت نہ آن ٹُوٹے

بڑی بُری بات کی ہے اُس نے!

بڑی بُری بات کی ہے اُس نے!

نواں منظر

www.HallaGulla.com

(حسنی اور احمد سُورج پور سے دو میل کے فاصلے پر جنگل کے شمالی حصّے کے ساتھ ساتھ گھوڑوں پر بیٹھے عبدل اور نندی کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔ اندھیری رات ہے۔ سنّاٹا ایک حادثے کی طرح پھیلتا جا رہا ہے۔ احمد اور حسنی کے گھوڑے دوڑ دوڑ کر پسینہ پسینہ ہو گئے ہیں)

کردار

احمد ۔ حسنی۔ ناری

احمد ____ تمہارا سر پھر گیا ہے!

ارے میں بہت تھک گیا ہوں۔

میری انتڑیاں قل ہو واللہ پڑھنے لگی ہیں

حسنی ___ بھانبڑ جلے سر یہ ماں رنگ اچھالیں نین

من دیکھے جس رین ماں، وہی نہ ہو یہ رین!

احمد ____ بھلا اس اندھیری بَنی میں تمہیں کیا ملے گا؟

تمہیں جان پیاری نہیں؟

حسنی____ موت کھڑی جس بات پہ وہی ہے میری بات گُروجی میری دھیر بندھاؤ میں اُتروں کس گھاٹ؟

احمد_____ آؤ ندی کے اُس پار اُتریں!

اُدھر ایک رستہ ہے

حسنی____ (احمد سے)

من کی اکھیاں کھول کے دونوں اکھیاں میچ

پُھوٹے گا پھر چاندنا، ندی کے بیچوں بیچ

احمد ــــــ ارے یہ تو جادُو کی دھرتی ہے!

حسنی ــــــ دھرتی اُوپر نیلا گگن، گگن پہ ناچیں پُھول

ان کی چھایا دیکھ کے، جل میں جلیں بھنبول

(حسنی اور احمد کے گھوڑے چلتے چلتے ایک دَم رُک جاتے ہیں حسنی اور احمد بہت کوشش کرتے ہیں لیکن گھوڑے آگے نہیں چلتے۔ دونوں گھوڑے اگلے پاؤں اُٹھا کر ہنہناتے ہیں اور خُرخُر کرتے ہیں اور اپنی کنوتیاں جلدی جلدی گھماتے ہیں۔ احمد بہت اصرار کرتا ہے لیکن حسنی واپس جانے سے انکار کر دیتا ہے۔)

احمد ــــــ ارے وہ اُدھر آگ! ....

اُس آگ کے پاس .... اک آدمی زاد! ....

حسنی ــــــ گگن سے اُڑ کے دھرت پہ آیا کیسے رنگ گلال!

کالی، پیلی، گیروی، مٹی ہو گئی لال

احمد ــــــ (خوف زدہ آواز میں)

خدا جانے یہ کون ہے؟

یار آگے نہ جاؤ!

حسنی ــــــ دَہڑ دَہڑ جلے سُوکھی لکڑی جگر جگر انکار

آگ کی اُٹھتی لاٹ سے، نکلیں سُرخ انار

بُھبھل مَلے سر پہ، ننگی بیٹھی نار

نِس اندھیاری رین ماں یہ کیسا اجیار!

(حسنی اور احمد جلدی سے الاؤ کے قریب آ جاتے ہیں۔ دونوں گھوڑے پر سوار ہیں۔ حسنی آگے ہے۔ یک ننگ دھڑنگی عورت بدن پہ راکھ ملے بالوں سے منہ چُھپائے سر جُھکائے سنسان بیٹھی ہے۔ وہ ان کی طرف بالکل توجّہ نہیں دیتی۔ پہلے تو حسنی اور ڈر کے مارے سہم جاتے ہیں۔ حسنی، عورت سے مخاطب ہوتا ہے)

حسنی ــــــ اگنی بَرن کی اوٹ ماں، اپنا بدن چُھپا

او ناری! او مارکھ ناری اپنا ناؤں بتا!

ناری ــــــ (بڑی ڈراونی اور گہری آواز میں)

ناری نہیں، چڑیل ہُوں، اپنی جان سنبھال

کھائے لُوں گی ترا کالجہ، جیوڑا لوں گی نکال

حسنی ____ تُو مجھے نہیں پچھانتی، میں ہوں مُنشی دلیر

ایسا بھالا ماروں گا بس کر دوں گا یہیں ڈھیر

ناری ____ تُو مجھے نہیں پچھانتا باپ مرا مہاراج

میں ہوں مہار جیوتنی، گپت مرا سرتاج

حسنی ____ تُو ہے کس مورکھ کی پتنی کون ترا سرتاج؟

کس کے کارن پُھونک دی تو نے اپنی لاج؟

احمد ____ (حسنی کا شانہ پکڑ کر کہتا ہے)

مرے بھائی نرمی سے بولو!

ناری ____ ناری سے جب بولیے، کہیے میٹھی بات

جِیب سنبھال کے بول رہے مورکھ کھول نہ اپنی ذات!

" کون دِسا سے آیا ہے تو کون دِسا کو جا!

بھالا لے ریا ہاتھ ماں گھوڑا ریا نچا"

حسنی ____ میں ہُوں ایک ستاریا کھوگئی میری ستار

نگری نگری گاتا پھروں، لوگ کہیں گُن کار

ناری ____ گُنی ہے تُو گُن کاری ہے تُو کوئی گُن دکھلا

سُرتی رُوپ کو من میں بٹھا کے موہن گیت سُنا!

حسنی ____ تار طنبورے بن او ناری کیسے گاؤں گیت؟

اُجڑے بن کی باس ہے، سنگت بن سنگیت

ناری ____ بین نہ باجے جو گیت سناوے وہی بڑا گُن کار

چندر پانچ کی چھیڑ سے سُرتی رُوپ دکھا

سات سُروں کی راگنی اک تارے پر گا

احمد ____ میرے بھائی کچھ تو سُناؤ!

حسنی ____ ایک نار میں ایسی دیکھی پہر پہر کرے بین

اس کی اکھیاں دیکھ کے بھور بھی دِیکھے رین

گورا مُکھڑا اپیازی برن، چند سے چِٹّے پیَر

پَل پل اُس کے دھیان ماں نوانبر کی سیر

کِس کے کارن جوگن بنی، کیوں چھوڑ گھر بار؟

اپنا محل بتاوٗ دے، او دکھیاری نار!

ناری ـــــ "محل تجھے بتاوٗتی" کھڑی ہُوں تن من ہار

"بجلی پڑو اِن محلّوں پر، تم پر پڑو، انگار"

احمد ـــــ ارے آگ!

یہ آگ! ـــــ یہ شور

(گھوڑے کے ٹاپوں کی آوازوں اور لوگوں کے شور سے جنگل گُونج اُٹھتا ہے۔

آگ کے شعلے آسمان تک بلند ہو رہے ہیں۔ عورت جنگل کی طرف بھاگ جاتی ہے

اور حسنی اس کے پیچھے بھاگتا ہے)

دسواں منظر

(رات ہوگئی ہے۔ چاروں طرف سے جنگل دَھڑ دَھڑ جلتا ہے۔ اک عجب بھگدڑ مچی ہے)

کردار

کچھ لوگ۔

احمد۔

شیشہ گر۔ (کنچ گھر کا انجینئر عمر تقریباً ۵۰ سال)

بلّھا۔

حسنی

آوازیں:

۱ ____ وہ اُدھر بھاگا!

ارے پکڑو اُسے! جانے نہ پائے

۲ ____ بڑا اندھیر ہے میرے یارو

بستے گاؤں کی بیٹی کاڈ کے لے گیا حسنی!

۳ ____ مُنّے اپنی انکھ تے دیکھا، وا حسنی تھا

حسنی ہور نندی دونوں تھے

(احمد آگ کے شعلے دیکھ کر ہجوم میں شامل ہو جاتا ہے)

احمد ____ آگ کِس نے لگائی تھی بھائی!

مِلا کچھ پتہ؟

آوازیں: ۱ ____ یو قصّہ تو بڑا اٹھاڑا ہے!

(کچھ لوگ حسنی کا گھوڑا گھیر کر اسے ہجوم میں لاتے ہیں۔)

۱ ____ یارو! اس کی ہڈّی پسلی توڑ کے رکھ دو۔

www.HalleGulla.com
Virtual Home for Real People

۲____ اِس کے سَر ماں مارو دو گاڑا!

احمد____ خبردار! کیوں مارتے ہو؟

گرفتار کر لو، پولیس کے حوالے کرو

اپنے ہاتھوں میں قانون لینا حماقت ہے

ا____ بڑا حَمیتی آیا اس کا!

چُپکر ہو جا!!

احمد____ مگر پہلے تحقیق کر لو

عدالت کُھلی ہے، عدالت کا در کھٹکھٹاؤ!

شیشہ گر____ بھلا یہ بھی کوئی شرافت ہے

اسے اپنے ہاتھ سے مت مارو!

یہ کام عدالت پر چھوڑ دو!

بُلّھا____ یو میرا مجرم ہے یارو!

اِنّاں نوں میرے پاس لیاؤ!

(بُلّھا، حسنی کو خُون بھری آنکھوں سے دیکھ کر بولتا ہے)

تُو اگر اشراف ہے تو آ اُتر میدان ماں

سیّد ہے تُو، رجپوت میں!

تُو پہلے اپنا وار کر پھر روک میرے وار کو

میں یُوں نہ چھوڑوں گا تُجھے!

حسنی____ میں نردوش ہُوں بلّھے بیرا میرے حال سے جانچ

سانچ کے آگے جُھوٹ نہ ٹھہرے نئیں ہے سانچ کو آنچ

سیّد ایسا نئیں ہے بُلّھے تو کیا جانے اس کی ساکھ

جس کے سنگ جلی تری بھیناوہ بھی ہوئے گیا راکھ

تیرے میت ہیں سینکڑوں، پنج تن میرے ساتھ

تیرے پاس گنڈاسیاں میں ہُوں خالی ہاتھ

دُھومن شاہ کی سَوں ہے بلّھے میرا ئیں قصور

میں لڑنا نہیں چاہوتا مجھے نہ کر مجبور

ا۔ بیّر کاڈن لاگے تنے سرم نہ آئی!

راج کوی اِب آجا نیچ مدان ماں!

بلّھا____ میں تُجھے زندہ نہ جانے دُوں گا حسنی!

فیصلہ کر لے یہیں!

یا تُو نہیں یا میں نہیں!

حسنی____ میرا پیر علیؑ مولا ہے ہور انگڑ کے چھور

آجا نیچ مدان ماں دیکھوں تیرا جور

☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

گیارہواں منظر

(صبح کا وقت ہے۔اکبر، احمد کنج گھر کے ایک کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔یہ کنج گھر سورج پور سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔ پہلے اس کے حصّہ دار اور مالک عبدل اور حسنی تھے۔پھر ہجرت کے بعد اکبر ان میں مل گیا۔اب عبدل اور حسنی کے بعد اکبر اور احمد اس کے مالک بن گئے ہیں۔کنج گھر میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی ہیں۔اس کے چاروں طرف نواں شہر آباد ہو گیا ہے بہت سے کاریگر اور مزدور بدل گئے ہیں اور اس کے کا کام بھی ذرا پھیل گیا ہے۔لیکن کنج گھر کا انجینئر وہی ہے)

زمانہ : ہجرت کے بعد

کردار

احمد ۔ اکبر ۔ شیشہ گر۔

کنج کی آواز:

کھڑ انک ٹڑک ٹڑک چھک چھک
کھڑ انک ٹڑک ٹڑک چھک چھک
کھڑ انک کھڑ انک ٹڑک ٹڑک چھک چھک
کھڑ انک کھڑ انک ٹڑک ٹڑک چھک چھک

(اکبر اور احمد، حسنی کے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ایک شیشے کی الماری میں حسنی کی چتر بین خاموش پڑی ہے۔حسنی کے بعد اسے کسی نے نہیں چھیرا۔اکبر اور احمد، بنیا کو دیکھتے ہیں اور کچھ دیر خاموش رہتے ہیں)

(احمد کو حسنی کا خیال آتا ہے)

بنیا باجے تنا نوم تنا نوم
جھانجن بولے چھن

بنیا باجے تنا نوم تنا نوم

احمد____ (میز پر رکھے ہوئے (PAPER WEIGHT) کو دیکھ کر اکبر سے مخاطب ہوتا ہے۔

یہ شیشے کی بٹّی!

یہ شیشے کی بٹّی میں رنگوں کے آنسو!

یہ کیا بلبلے سے چمکتے ہیں دیکھو!

اکبر____ ذرا سی بٹّی میں ایک دنیا بسی ہوئی ہے

نظامِ شمسی کے سارے رشتے سمٹ گئے ہیں

یہ ایک ننھا سا آسماں ہے

اسی طرح صاف اور شفاف اجلا اجلا!

یہ کھڑکیاں اور یہ کھڑکیوں کے سفید شیشے

سفید شیشوں سے روشنی کی پھوار چَھن چَھن کے گر رہی ہے

یہ روشنی دائروں کے اندر!

یہ دائرے روشنی کے اندر!

یہ روشنی کے سفید نقطے!

چہار جہتی زماں کا دھارا

خوش چیزوں کو لے اڑا ہے

یہ روشنی معجزے کی صورت اتر رہی ہے

خوش چیزیں بھی چل رہی ہیں

احمد____ چلو کچھ گھر کی مشینیں تو دیکھیں

(شیشہ گر کمرے کے اندر آتا ہے اور احمد اور اکبر کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگتا ہے مشینوں کی آواز دور سے آ رہی ہے)

کھڑنک کھڑنک چھک ٹڑک ٹڑک

کھڑنک کھڑنک چھک ٹڑک ٹڑک

شیشہ گر____ کیوں بھائی سوچ لیا تم نے؟

اکبر____ مجھے تو منظور ہے سبھی کچھ

اب آپ احمد کو راضی کر لے!

احمد______ مجھے کوئی انکار ہے میرے بھائی!

جو یارو کی مرضی وہی میری مرضی

شیشہ گر______اب آپ ہی فیصلہ کر لیجیے کہ عبدل اور حسنی

کے حصے کیسے بٹیں؟

ان کا تو کو وارث بھی نہیں!

حق وار تو اس کے آپ ہی ہیں

لیکن ذرا سوچ سمجھ لینا!

احمد______ مگر آپ کا بھی تو حصہ ہے اس میں!

اکبر______ بجا ہے بھائی! تمہاری محنت ہمارا پیسہ!

احمد______ تو پھر تین حصے ہوئے۔

کچھ تو اللہ کے راستے میں دے دو!

جو باقی بچے اس کو تینوں میں تقسیم کر لو

اکبر______ تو اتنی ہی جلدی کیا ہے احمد؟

میرا تو دل ہی کانپتا ہے جب خیال آتا ہے جب دوستوں کا

یہ حصے وصے کی بات چھوڑو!

جو کام کرنا ہے کرتے جاؤ!

احمد______ میں قانون کی رو سے کہتا ہوں

ورنہ میرا دل بھی دکھتا ہے

حسنی بھی اپنا بڑا یا تھا

اور عبدل تمہارا بڑا دوست تھا

بلکہ دونوں ہی تمہارے ساتھی......

مگر خیر! چھورو یہ باتیں!

ذرا گنج گھر تو دکھا دو!

اکبر______ (شیشے کی طرف اشارہ کر کے)

یہ شیشہ گر ہے انہیں سے کہیے!

بڑی ہی محنت سے میں نے ان کو منایا ہے

کہ کنج چھوڑ کر نہ جائیں

شیشہ گر ____ چلو پہلے مشین کو دیکھے ہم!

احمد ______ تو یہ کنج گھر کیسے چلتا ہے؟

ٹرک چھک چھک

ٹرک چھک چھک

شیشہ گر ____ یہ موٹر ہے! ____ بجلی کے زور سے چلتی ہے

یہ دو بڑی چرخیاں سب سے پہلے گھومتی ہیں!

چرخی گھم گھیریاں کھاتی ہے اور باقی پہیے گھومتے ہیں

پھر ان کے ساتھ ہی چھوٹے بڑے سب پرزے چلنے لگتے ہیں

یہ چمنی ہے! ______ چمنی میں ایندھن جلتا ہے

ایندھن کولے کا ہوتا ہے _____ لکڑی اور پتھر کا کولہ!

یہ بھٹی ہے! ____ بھٹی میں شیشہ پگھلتا ہے اور سانچوں میں گرتا رہتا ہے

یہ کئی قسم کے سانچے ہیں!

ان سانچوں میں ہر طرح کی چیزیں بنتی ہیں

یہ پرچ پیالے کوزے یہ جھاڑ یہ قیف

یہ نلکیاں یہ گل دان یہ جگ، سوڈے کی بوتلیں

اور گلاس، یہ سارے کانچ سے بنتے ہیں!

احمد ______ یہ شیشوں کے تختے!

یہ شیشہ بھلا کس طرح کاٹتے ہیں؟

شیشہ گر ____ یہ ٹھوس جسم نازک شیشہ ہیرے کی قلم سے کٹتا ہے

شیشہ نازک چادر کو نوکیلے کھردرے کنکر سے بھی کاٹتے ہیں

ہیرے کی قلم کبھی دیکھی ہے؟

اس شیشہ کو پیمانہ رکھ کر کاٹتے ہیں

ہیرے کی قلم سے تیز لکیر لگاتے ہیں

پھر دونوں طرف سے شیشے کو ہوتھوں سے دبا کر توڑتے ہیں

یہ کام بڑا ہی نازک ہیں!

احمد ____ مگر یہ بتاؤ یہ شیشہ پگھلتا ہے کیسے؟

شیشہ گر ____ پہلے تو کانچ کی کرچیوں کو یہ کانشوئچ کے چھوٹے ٹکروں کو

بھٹی کے اندر ڈالتے ہیں

پھر چاروں طرف سے بھٹی کو ڈھک دیتے ہیں

یہ بھٹی جوں جوں تپتی ہے شیشے میں لرزش ہوتی ہے

پہلے تو اک ہی نقطے پر اک تھر تھری ہونے لگتی ہے

پھر تھر تھری بڑھنے لگتی ہے اور ذرے ہلنے لگتے ہیں

ذروں میں کھلبلی مچتی ہے

پھر ذرے آگے اور پیچھے کیڑوں کی طرح سے رینگتے ہیں

یوں شیشہ پگھلتا رہتا ہے

سانچوں میں دھلتا رہتا ہے

اور چیزیں بنتی رہتی ہیں

یہ ریشم سے الجھے الجھے لچھے سے جو تم دیکھتے ہو

یہ سانچوں میں سے اچھل کر باہر گرتے ہیں

احمد ____ بڑا ہی ادق کھیل ہے شیشہ سازی!

میں کتنے دنوں میں سیکھ لوں گا!

شیشہ گر ____ دنیا جسے شیشہ کہتی ہے وہ اک طرح کا پتھر ہے

یہ شیشہ جو تم دیکھتے ہو پتھر کے دل کا جوہر ہے

جو رنگ نظر آتے ہیں تمہیں اس شیشہ سازی کے فن میں

کبھی آنکھیں موند کے دیکھوں تم یہی رنگ ہیں دل کے درپن میں

مجھے شیشہ گر ہی نہ سمجھوں تم مرا شیشہ پھوٹ نہیں سکتا

میں جوہری ہوں جس جوہر کا وہ جوہر ٹوٹ نہیں سکتا

آپ آتے رہیں تو چند دنوں میں سارا کھیل سکھا دوں گا
اس شیشہ گری کی صنعت کے سب راز رموز بتا دوں گا

☆☆☆☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

بارھواں منظر

(نویں شہر میں اکبر، مونا اور احمد دو پہیوں کی گاڑی میں پھول گلی سے کنج گھر کی طرف جا رہا ہیں۔ گاڑی کو دو سفید گھوڑے کھینچ رہے ہیں۔ گرمیوں کی دوپہر ہے۔ ایک عورت بھیرویں گا رہی ہے۔ اس کی آواز دور سے آرہی ہے۔)

کردار

ایک عورت۔

مونا۔ عمر۲۲ سال

اکبر۔

احمد

گاڑی کی آواز:

رک شک رک شک

رک شک رک شک

رک شک رک شک

عورت کے گانے کی آواز:

کنچن روپ دکھائے

سرگم سا دسا رے گا ما سا)

جل میں آگ لگائے

چھم چھم ناچے کھڑی دوپہری

دھوپ کی تانیں گہری گہری

سرگم سا

جل میں آگ لگائے

سر کی چھایا سر سے آگے

سُر کے پیچھے سرتی بھاگے

سرگم سا

سر کی تھاہ نہ پائے

کنچن روپ دکھائے

سرگم سا

جل میں آگ لگائے

مونا ____ گاڑی والے گاڑی روکو

احمد بھیا نیچے اترو!

احمد ____ یہ کس کا جنازہ ہے اکبر؟

اکبر ____ ہمارے مفتی گزر گئے ہیں

یہ آخری شمع رہ گئی تھی

☆

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People

تیرھواں منظر

(گاڑی اُڑی جا رہی ہے۔ رات ہو گئی ہے۔ سورج پور اب تھوری دور ہے۔ احمد اور فیاض بدستور باتیں کر رہے ہیں اور عبدل گہری سوچ میں سر جھکائے بیٹھا ہے)

کردار

احمد۔ فیاض۔ عبدل

احمد______کئی بار تم سے کہا ہے کہ کھڑکی کا شیشہ اٹھا دو

یہ شیشہ اٹھا دو نا بھائی!

فیاض______کون ہے وہ پھر تم ہی بتاؤ!

احمد______ارے ہاں! وہ اندھی بھکارن!

خدا جانے وہ کون ہے؟

فیاض______سات برس میں اس دھرتی کی ایسی کایا پلٹی!

پہلے جنگل راکھ ہوا' پھر کال پڑا

سیلاب تو بس ایسا آیا کہ توبہ میری!

سورج پور میں کیا رکھا ہے؟

احمد______پرانی حویلی بھی اجڑی پڑی ہے

وہ ڈیڑہ تو حشمت کے دم سے ہی تھا بس!

تمہیں یاد ہے جب سیلاب آیا تھا

اس رات عبدل کے ماں باپ بلھے کا کنبہ

خدا ہی جانے کتنی مخلوق اس راوں میں بہہ گئی

فیاض______بندو اور میں کشتی لے کے سب سے پہلے عبدل کے ڈیرے میں پہنچے

حشمت باوا اور نصیبن گھر سے نہ نکلے

احمد ـــــــــ میں بھی اس رات اکبر کو لے کر گیا تھا مگر وہ نہ مانے ا
اجی یہ پرانے زمانے کے بوڑھے کسی کی نہیں مانتے
خیر اچھے تھے وہ لوگ!
دنیا میں اب ایسی شکلیں کہاں ہیں؟

فیاض ـــــــــ حسنی آپ کے ساتھ تھا جس دن آگ لگی تھی؟

احمد ـــــــــ میں بندو کے ہمراہ مرچوں کی پیلی میں بیٹھا ہوا تھا
کہ حسنی طنبورہ لیے آ گیا
ہم وہیں رہٹ کے مُڈھ پہ سنگیت سننے لگے تھے
کہ اکبر بھی گھوڑے سے اترا
وہ شام اب کبھی یاد آتی ہے تو کانپ جاتا ہوں بھائی!

فیاض ـــــــــ حسنی آپ کے ساتھ تھا لیکن
نندی کس کے ساتھ گئی تھی؟
عبدل پھر کیوں بھاگا؟۔۔۔

احمد ـــــــــ ہاں تو میں کہہ رہا تھا
اندھیرہ اترنے لگا تھا کہ اتنے میں ٹاپوں کی آواز آئی
وہ عبدل کے پیچھے لگے تھے!
اسی وقت میں اور حسنی بھی گھوڑے کو لے کر چلے
رات کے کوئی نو دس بجے تھے کہ ندی کے
اس پار جنگل میں جلتا الاؤ دکھائی دیا
گھوڑے چلتے نہ تھے اور ہم جان ہتیلی پہ لے کر ادھر چل پڑے
پاس پہنچتے تو دیکھا الاؤ پہ اک نار بیٹھی تھی،
جلتے الاؤ کے نزدیک عریاں بدن اک عورت
پریشان بالوں سے منہ کو چھپائے
خدا جانے وہ کون تھی!

فیاض ـــــــــ اچھا اچھا! یہ عورت۔۔۔

وہ ـــــ تم نے کچھ پوچھا تھا اس سے

وہ کیا بولی؟

احمد ـــــ ہم نے پوچھا تھا تو کھانے پر دوڑی

ڈرانے لگی اور کہنے لگی؛ ڈین ہوں

دور ہو جاؤں ورنہ کلیجہ چبا لوں گی

پہلے تو ہم ڈر گئے پھر ذرا بڑھ کے حسنی نے نیزہ سنبھالا

وہ تھرا گئی زردسی پڑ گئی

فیاض ـــــ پھر آگے کیا بات ہوئی یہ بھی تو بتاؤ؟

احمد ـــــ ہم نے اس سے بڑی دیر تک گفتگو کی

فیاض ـــــ میں جانوں وہ کوکھ جلی تھی

جادو ٹونہ کرتی ہوگی!

آخر اس نے کوئی بات کی ہوگی نا؟

احمد ـــــ نہیں کچھ نہیں ـــــ رو رہی تھی

جب حسنی نے اس کو بتایا کہ وہ نغمہ گر ہے تو کہنے لگی کچھ سناؤ

وہ حسنی بھی کیا منچلا تھا

سنانے لگا!

فیاض ـــــ اچھے وقت میں گانے کی سوجھی تھی اس کو!

احمد ـــــ یہ کوی اور راگی طبعیت کے بندے ہیں!

ہاں! پھر وہ عورت ـــــ

وہ اپنی کہانی سنانے لگی تھی کہ اتنے میں اک شور اٹھا

گھڑی بھر میں جنگل چیخنے لگا

آگ میلوں تلک بڑھ چکی تھی

وہ اس شور کو سن کے جنگل بھاگی

مرا گھوڑے آگے نہ چلتا تھا

میں رہ گیا اور حسنی ہوا ہو گیا

سارے جنگل میں ڈھونڈا

وہ دونوں نہ جانے کہاں کھو گئے تھے؟

سواروں نے بھگدڑ مچائی تھی

پھر کیا ہوا یہ نہ پوچھو

وہ ناری خدا جانے غائب ہوئی جل بجھی بھاگ نکلی

خدا جانتا ہے۔

فیاض ______ وہ نردل پھر گاؤں چھوڑ کر کیوں بھاگا تھا؟

حمد ______ کوئی کہتا ہے عبدل وہیں جل گیا

مگر یہ مجھے علم ہے یا خدا جانتا ہے

کہ حسنی مرے ساتھ تھا

وہ تو ناحق ہی مارا گیا!

میں نے لوگوں کو روکا بڑی منتیں کیں

وہاں کچھ بھلے لوگ بھی تھے

وہ کہتے رہے کہ عدالت کا در کھٹکھٹاؤ

مگر ایسے بلوئے میں کب کوئی سنتا ہے

بلھا تو غصے میں اندھا تھا

بس دونوں لڑنے لگے اور وہیں کٹ مرے!

(عبدل سوچتا ہے۔ اسے طرح طرح کے خیال آوازیں دیتے ہیں)

عبدل ______ سورج پور اب پھر نہ بسے گا!

سورج پور اب پھر نہ بسے گا

سورج پور تو اس دن اجڑ گیا تھا!

وہ دن اپنے گاؤں کی بربادی کا دن تھا!

" " " "

آواز ______ کنج گھر میں چاند اترا ہے

دروازے کیوں بند پڑے ہیں؟

کس نے بند کیے ہیں؟

نندی تم یہاں کیوں آئی ہو؟

نندی_____ مجھے خوف آتا ہے عبدل

وہ کھڑکی کے شیشے ترخنے لگے ہیں!

لہو گر رہا ہے

اکبر_____ یہ کنج گھر میں لہو کی بارش کہاں سے آئی!

سفید شیشوں پہ لال تحریر کس نے لکھی؟

آواز_____ یہ آیا تجھے آکا خیال؟

ہرے بن میں کلیاں کھلیں لالال

حسنی_____ گگن سے اڑ کے دھرت پہ آیا کیسے رنگ گلال

اجلے چٹے چٹے شیشے سارے ہو گئے لال لال

بنیا باجے تنا نوم تنا نوم

جھانجن جھانجن بولے چھن

بہت بڑی سرکار ہے تیری سید قطب الدینؒ

" " " "

آواز_____ اب اس پیڑ سے اڑ جا!

اب اس پھل میں رس نہ پڑے گا

اس کو اندر سے کیڑوں نے چاٹ لیا ہے

اب اس پیڑ سے اڑ جا

کڑوے نیم کی ٹہنی چن لے!

" " " "

فیاض_____ اب تو بس یہی تمنا ہے بس

نویں شہر میں جلدی جلدی گھر بن جائے

احمد_____ آٹھ بجنے لگیں تو بتانا

تمہیں کنج گھر کا نظارہ دکھاؤ ں گا

گاڑی وہیں سے گزرتی ہے

فیاض_____ آٹھ بجنے میں چند منٹ ہیں

آواز_____ سورج پورا تروگے عبدل!

وہاں نہ جانا!

عبدل_____ گاڑی آگے کو چلتی ہے

چیزیں پیچھے کو ہٹتی ہیں

ساری دھرتی گھوم رہی ہے

کھڑکی کے اجلے شیشے میں چاند بھی جم کر ٹھہر گیا

آواز_____ سورج پورا تروگے عبدل!

وہاں نہ جانا!

وہاں ترا اب کوئی نہیں ہے!

عبدل_____ اس دھرتی سے میرا ناطہ ٹوٹ چکا ہے!

اپنے وقت کا اک اک ساتھی چھوٹ چکا ہے!

آواز_____ میں نہ کہتا تھا کہ وہ گھوڑا بڑا منحوس ہے

وہ زمیں منحوس تھی وہ آسماں منحوس تھا

" " "

تجھ کو اس دن کے پالا تھا عبدل!

پوت کاہے کو جنا تھا سانپ تھا!

آواز_____ تو نے نندی کو مارا ہے!

تو نے اس کا خون پیا ہے!

تو نے حسنی کو مارا ہے!

تو نے اپنے ماں باپ کا قاتل!

تو ہی بلھے کا قاتل ہے

اتنے تن داروں کا خون تری گردن پر!

تو خونی ہے!

تو قاتل ہے!

عبدل______ تو جھوٹا ہے

نندی اپنی موت مری ہے

حسنی میرا جگری دوست تھا

آواز______ تو بزدل ہے!

تو نے سورج پور کو اجاڑا!!

عبدل______ تو جھوٹا ہے!

تو بزدل ہے!

آواز______ تو خونی ہے!

تو قاتل ہے!

تو بزدل ہے!

عبدل______ (لہجہ بدل کر)

دھوپ کی گرمی سے پیلا پڑ گیا تھوہڑ کا کانس

چاند کی کبریت سے جلنے لگے جنگل کے بانس

" " " "

ارے کیا ہوا دیکھنا تو!!

یہ گاڑی کھڑی ہو گئی؟

فیاض______ (عبدل کی طرف دیکھ کر) کون سا اسٹیشن ہے بھائی؟

آپ یہاں اتریں گے صاحب؟

احمد______ نہیں! یہ تو جنگل ہے!

گاڑی یہاں کیوں رکی!

کوئی آواز بھی تو نہیں!

کوئی بتی نہیں!

یہ تو جنگل ہے! سنسان جنگل!!